ماہنامہ

اشراق

لاہور

جنوری ۲۰۲۱ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

"... ہر نعمت منعم کی شکر گزاری کا حق واجب کرتی ہے اور اِس شکر گزاری کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ برابر چوکنا رہے کہ مبادا کسی نعمت کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے۔ نعمت کسی کا حق نہیں، بلکہ منعم کی طرف سے ایک امانت ہے۔ اِس وجہ سے جس کی تحویل میں جتنی ہی زیادہ امانت ہو، اُس کو اتنا ہی زیادہ فکر مند اور بیدار رہنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص نعمت پا کر نچنت ہو کر سو رہے کہ یہ نعمت اُس کا حق ہے اور وہ اِس میں عیش کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے تو وہ نہایت احمق ہے۔"

— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

www.javedahmadghamidi.com

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۳۳ شمارہ ۱ جنوری ۲۰۲۱ء جمادی الاول ۱۴۴۲ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے

سالانہ 500 روپے

رجسٹرڈ 1000 روپے

(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات

'سنت' اور 'ملت ابراہیم' کا باہمی تعلق: جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات

البیان: الشعراء ۲۶: ۱۰۵-۱۹۱ (۳) — جاوید احمد غامدی — ۱۳

معارف نبوی

عذاب قبر (۲) — جاوید احمد غامدی / ڈاکٹر محمد عامر گزدر — ۲۷

نقطۂ نظر

پردے سے متعلق دینی ہدایات — محمد تہامی بشر علوی — ۴۷

کائنات کا آغاز وارتقا: قرآنی بیانات اور سائنسی حقائق کے درمیان تطبیق کی راہ (۱) — ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی — ۵۴

سیر و سوانح

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (۳) — محمد وسیم اختر مفتی — ۶۷

اصلاح و دعوت

انسان رخی طرز فکر — محمد ذکوان ندوی — ۸۰

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

سید منظور الحسن

’سنت‘ اور ’ملت ابراہیم‘ کا باہمی تعلق

جناب جاوید احمد غامدی کے موقف کا تقابلی مطالعہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سنت کے بارے میں استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کا تصور یہ ہے کہ یہ دین ابراہیمی کی روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اسے دین کی حیثیت سے امت میں جاری فرمایا ہے۔ اس کا پس منظر ان کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دین کے بنیادی حقائق اس کی فطرت میں ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا۔ پھر اس کی ہدایت کی ضرورتوں کے پیش نظر انبیا کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہ انبیا وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے اور بنی آدم تک ان کے پروردگار کا دین پہنچاتے رہے۔ یہ دین ہمیشہ دو اجزا پر مشتمل رہا: ایک حکمت، یعنی دین کی مابعد الطبیعاتی اور اخلاقی اساسات اور دوسرے شریعت، یعنی اس کے مراسم اور حدود و قیود۔ حکمت ہر طرح کے تغیرات سے بالا تھی، لہٰذا وہ ہمیشہ ایک رہی، لیکن شریعت کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ وہ ہر قوم کی ضرورتوں کے لحاظ سے اترتی رہی، لہٰذا انسانی تمدن میں ارتقا اور تغیر کے باعث بہت کچھ مختلف بھی رہی۔ مختلف اقوام میں انبیا کی بعثت کے ساتھ شریعت میں ارتقا و تغیر کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت میں پوری انسانیت کے لیے اس کے احکام بہت حد تک متعین ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں —— اسحٰق اور اسمٰعیل علیہما السلام —— کو اسی دین کی پیروی کی وصیت کی اور سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کو اسی پر عمل پیرا رہنے کی ہدایت کی:

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ....وَوَصّٰى بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ.(البقره۲: ۱۳۰، ۱۳۲)

"اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے اعراض کر سکے، مگر وہی جو اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کرے...۔اور ابراہیم نے اسی (ملت) کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی اور (اسی کی وصیت) یعقوب نے (اپنے بیٹوں کو) کی۔"

دین ابراہیمی کے احکام ذریت ابراہیم کی دونوں شاخوں — بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل — میں نسلاً بعد نسلٍ ایک دینی روایت کے طور پر جاری رہے۔ بنی اسمٰعیل میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ کو بھی دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ. (۱۶: ۱۲۳)

"پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا تو عبادات، معاشرت، خورونوش اور رسوم و آداب سے متعلق دین ابراہیمی کے یہ احکام پہلے سے رائج تھے اور بنی اسمٰعیل ان سے ایک معلوم و متعین روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھے۔ بنی اسمٰعیل بڑی حد تک ان پر عمل پیرا بھی تھے۔ دین ابراہیمی کے یہی معلوم و متعارف اور رائج احکام ہیں جنھیں اصطلاح میں 'سنت' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید و اصلاح کے بعد اور ان میں بعض اضافوں کے ساتھ انھیں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عربوں میں دین ابراہیمی کی روایت پوری طرح مسلم تھی۔ لوگ بعض تحریفات کے ساتھ کم و بیش وہ تمام امور انجام دیتے تھے جنھیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جاری کیا تھا اور جنھیں بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تصویب سے امت میں سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ چنانچہ ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نماز جنازہ، جمعہ، قربانی، اعتکاف اور ختنہ جیسی سنتیں دین ابراہیمی کے طور پر قریش میں معلوم و معروف تھیں۔ لکھتے ہیں:

"... نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ سب اِسی ملت کے احکام ہیں جن سے قرآن کے مخاطب پوری طرح واقف، بلکہ بڑی حد تک اُن پر عامل تھے۔ سیدنا ابوذر کے ایمان لانے کی جو روایت مسلم میں بیان ہوئی ہے، اُس میں وہ صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی وہ نماز کے پابند ہو چکے تھے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جمعہ کی اقامت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ قرآن کے مخاطبین کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ نماز جنازہ وہ پڑھتے تھے۔ روزہ اُسی طرح رکھتے تھے، جس طرح اب ہم رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ اُن کے ہاں بالکل اُسی طرح ایک متعین حق تھی، جس طرح اب متعین ہے۔ حج و عمرہ سے متعلق ہر صاحب علم اِس حقیقت کو جانتا ہے کہ قریش نے چند بدعتیں اُن میں بے شک، داخل کر دی تھیں، لیکن اُن کے مناسک فی الجملہ وہی تھے جن کے مطابق یہ عبادات اِس وقت ادا کی جاتی ہیں، بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اِن بدعتوں پر متنبہ بھی تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم، دونوں میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے جو حج کیا، وہ قریش کی اِن بدعتوں سے الگ رہ کر بالکل اُسی طریقے پر کیا، جس طریقے پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج ہمیشہ جاری رہا ہے۔

یہی معاملہ قربانی، اعتکاف، ختنہ اور بعض دوسرے رسوم و آداب کا ہے۔ یہ سب چیزیں پہلے سے رائج، معلوم و متعین اور نسلاً بعد نسلٍ جاری ایک روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھیں۔ چنانچہ اِس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ قرآن اِن کی تفصیل کرتا۔ لغت عرب میں جو الفاظ اِن کے لیے مستعمل تھے، اُن کا مصداق لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ قرآن نے اُنھیں نماز قائم کرنے یا زکوٰۃ ادا کرنے یا روزہ رکھنے یا حج و عمرہ کے لیے آنے کا حکم دیا تو وہ جانتے تھے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج و عمرہ کن چیزوں کے نام ہیں۔"

(میزان ۴۶-۴۷)

درج بالا تفصیل سے واضح ہے کہ ملت ابراہیم سے جناب جاوید احمد غامدی کی مراد دین ابراہیم ہے۔ سنت ان کے نزدیک دین ابراہیمی یا ملت ابراہیمی ہی کا ایک جزہے۔ یہ درحقیقت دین ابراہیم کے ان احکام پر مشتمل ہے جو بنی اسمٰعیل میں پہلے سے رائج اور معلوم و متعین تھے اور نسل در نسل چلتی ہوئی ایک روایت کی حیثیت سے متعارف تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید و اصلاح کی اور ان میں بعض اضافوں کے ساتھ انھیں مسلمانوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں:

"سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔"

(میزان ۱۴)

"... دین ابراہیمی کی روایت کا یہ حصہ جسے اصطلاح میں سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن کے نزدیک خدا کا دین ہے اور وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیتا ہے تو گویا اِس کو بھی پورا کا پورا اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔" (میزان ۴۷)

استاذ گرامی کے اس موقف پر بعض اہل علم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ملت ابراہیم کے الفاظ سے دین ابراہیمی کی روایت مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس سے مراد دین کی اساسی تعلیمات، یعنی توحید، شرک اور اطاعت الٰہی ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات لغت عرب اور آیت کے سیاق و سباق کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ لغت کے مطابق، لفظ 'ملت' ایک جامع لفظ ہے جو اصولی تصورات کے علاوہ عملی احکام کو بھی شامل ہے۔

''لسان العرب'' میں ہے:

والملة: الشريعة والدين.... الملة: الدين كملة الإسلام والنصرانية واليهودية، وقيل: هي معظم الدين، وجملة ما يجئ به الرسل.... قال أبو إسحٰق: الملة في اللغة سنتهم و طريقهم.(۱۱/۶۳۱-۶۳۲)

''شریعت اور دین کا نام ملت ہے۔... ملت، ملت اسلام، ملت نصرانیہ اور ملت یہودیہ کی طرح ایک دین کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنیادی اور جملہ اجزاے دین کو ملت کہتے ہیں جس کو رسول لے کر آتے ہیں۔... ابواسحٰق کہتے ہیں کہ لغت میں ان کی سنت اور طریقے کو ملت کہتے ہیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سورۂ نحل کی مذکورہ بالا آیات میں سیاق و سباق کی رو سے عملی پہلو مراد ہیں۔ اس مقام پر اصل میں ان مشرکانہ بدعات کی تردید کی گئی ہے جو بعض جانوروں کی حرمت کے حوالے سے مشرکین عرب میں رائج تھیں اور جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ انھیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی نے جاری فرمایا تھا۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے طور پر ایک پوری شریعت وضع کر رکھی تھی۔ مثال کے طور پر وہ منتوں اور نذروں کے لیے خاص کیے گئے جانوروں پر اللہ کا نام لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان پر سوار ہو کر حج کرنا ممنوع تھا۔ وہ اپنی کھیتیوں اور جانوروں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے اور ایک حصہ دیوی دیوتاؤں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔ نذروں اور منتوں کے لیے مخصوص جانوروں میں سے مادائیں جو بچہ جنتیں، اس کا گوشت عورتوں کے لیے ناجائز اور مردوں کے لیے جائز تھا، لیکن اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو یا بعد میں مر جائے تو پھر اس کا گوشت عورتوں کے لیے بھی جائز ہو جاتا تھا۔ قرآن مجید نے ان مشرکانہ بدعات اور ان کی سیدنا ابراہیم سے نسبت کی نہایت سختی سے تردید کی۔ یہ اس آیت کا پس منظر ہے۔ اس پس منظر میں اگر آیت کا مطالعہ اس کے سیاق و سباق کے ساتھ کیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ 'اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ' کا حکم اصل میں عملی احکام ہی کے تناظر میں آیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
تَعْبُدُوْنَ. اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ
اللّٰهِ بِهٖ ... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا
حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ...
وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ... اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ
كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ
وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ...ثُمَّ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. اِنَّمَا جُعِلَ
السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ.

(النحل ۱۶: ۱۱۴-۱۲۴)

”تو اللہ نے تمھیں جو چیزیں جائز و پاکیزہ دے رکھی ہیں، ان میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی پرستش کرتے ہو۔ اس نے تو تم پر بس مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حرام ٹھیرایا ہے...۔ اور اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ...۔ اور جو یہودی ہوئے، ان پر بھی ہم نے وہی چیزیں حرام کیں جو ہم نے پہلے تم کو بتائیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے...۔ بے شک، ابراہیم ایک الگ امت تھے، اللہ کے فرماں بردار اور اس کی طرف یک سو اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کی رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی...۔ پھر ہم نے تمھاری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ سبت انھی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنھوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا، اور بے شک، تمھارا رب ان چیزوں کے باب میں جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

'اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا' کی تفسیر میں جلیل القدر اہل علم نے ملت سے فقط اصولی تصورات مراد نہیں لیے، بلکہ عملی پہلوؤں کو نمایاں طور پر شامل سمجھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر کی ہے۔

ابن قیم نے ملت کو توحید کے مفہوم میں لینے کی صریح طور پر تردید کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد دین ہے اور اس کے مفہوم میں عقائد کے ساتھ اعمال بھی شامل ہیں:

وأما قولكم إن الملة هي التوحيد فالملة هي الدين وهي مجموعة أقوال وأفعال واعتقاد ودخول الأعمال في الملة كدخول الإيمان، فالملة هي الفطرة وهي الدين ومحال أن يأمر الله سبحانه باتباع إبراهيم في مجرد الكلمة دون الأعمال وخصال الفطرة.

(تحفۃ المودود باحکام المولود ۱۰۶)

"تم اگر یہ کہتے ہو کہ ملت سے مراد توحید ہے (تو یہ درست نہیں ہے)۔ ملت سے مراد دین ہے اور دین اقوال، افعال اور اعتقاد کے مجموعے کا نام ہے۔ جس طرح ایمان ملت کے مفہوم میں داخل ہے، اسی طرح اعمال بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ پس فطرت کا نام ملت ہے اور وہ دین ہے۔ یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعمال اور عادات فطرت کو چھوڑ کر صرف کلمہ کی پیروی کرنے کا حکم فرمائیں۔"

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امام رازی نے ملت سے شریعت مراد لیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ملت ابراہیم ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے:

ظاهر هذه الآية يقتضي أن شرع محمد عليه الصلٰوة والسلام نفس شرع إبراهيم، وعلى هذا التقدير لم يكن محمد عليه الصلٰوة والسلام صاحب شريعة مستقلة، وأنتم لا تقولون بذالک. قلنا: يجوز أن تكون ملة إبراهيم داخلة في ملة محمد عليه الصلٰوة والسلام مع اشتمال هذه الملة على زوائد حسنة وفوائد

"(پھر اگر یہ کہا جائے کہ) آیت کا ظاہر تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعت یکساں ہے اور اس بنا پر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مستقل شریعت کے حامل نہ ہوئے، جب کہ تم ایسا نہیں کہتے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ملت ابراہیم داخل ہے کچھ اچھے زوائد اور بہتر فوائد کے ساتھ۔"

جليلة.(التفسير الكبير ۱/ ۵۷)

امام ابن حزم نے اسے شریعت کے معنوں میں لیا ہے اور واضح کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی شریعت کو لے کر آئے جس پر سیدنا ابراہیم عمل پیرا تھے:

وأما شريعة إبراهيم عليه السلام فهي شريعتنا هذه بعينها ولسنا نقول إن إبراهيم بعث إلى الناس كافة وإنما نقول إن الله تعالىٰ بعث محمدًا إلى الناس كافة بالشريعة التي بعث تعالىٰ بها إبراهيم عليه السلام إلى قومه خاصة دون سائر أهل عصره وإنما لزمتنا ملة إبراهيم لأن محمدًا صلى الله عليه وسلم بعث بها إلينا لا لأن إبراهيم عليه السلام بعث بها.

(الاحکام ۲/ ۱۶۵-۱۶۶)

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت بعینہٖ وہی شریعت ہے جو ہماری ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ابراہیم علیہ السلام تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی شریعت کے ساتھ تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے جس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام بالخصوص اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے نہ کہ اپنے ہم عصر تمام لوگوں کی طرف۔ ہم پر ملت ابراہیم کی پیروی لازم ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے ساتھ ہماری طرف بھیجے گئے ہیں، نہ کہ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام اس کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔“

بیضاوی نے ملت ابراہیم سے ملت اسلام کو مراد لیا ہے:

(فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا) أي ملة الإسلام التي هي في الأصل ملة إبراهيم، أو مثل ملته.

(انوار التنزیل واسرار التاویل ۱/ ۱۴۸)

”’فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا‘، یعنی ملت اسلام (کی پیروی کرو) جو اصل میں ملت ابراہیم ہے یا اس کی مثل ہے۔“

شاہ ولی اللہ نے حج جیسی عملی عبادت کو ’فَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا‘ ہی کے حکم کے تحت شامل کیا ہے:

والنبي صلى الله عليه وسلم بعث لتظهر به الملة الحنيفية وتعلو بها كلمتها، وهو قوله تعالىٰ: ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملت حنیفیہ ہی کے احیا اور قیام کے لیے ہوئی ہے اور اسی کا بول بالا کرنے کے لیے آپ اس دنیا میں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اِبْرٰهِيْمَ﴾ فمن الواجب المحافظة على ما استفاض عن اماميها كخصال الفطرة ومناسک الحج؛ وهو قوله صلی الله علیه وسلم: "قفوا على مشاعركم فإنكم على إرث من إرث أبيكم ابراهيم".(حجۃ اللہ البالغہ ۹۸/۲)

تشریف لائے۔ قرآن مجید میں ہے: 'مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ'، اس لیے یہ ضروری تھا کہ جو مناسک وہ بجالائے ہیں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کے شعائر ہیں، ان کو من وعن قائم رکھا جائے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عربوں کو موقف میں دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، کیونکہ یہ مناسک تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث ہیں۔''''

''تفسیر مظہری'' میں شریعت کو ملت کے مفہوم میں شامل کر کے بیان کیا گیا ہے:

والملة كالدين اسم لما شرع الله لعباده على لسان الأنبياء ليتوصلوا بها إلى مدارج القرب وصلاح الدارين.(۹۴/۲)

''ملة' کا لفظ دین کی طرح ہے اور یہ اس چیز کے لیے اسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انبیا کی زبان سے شریعت کے طور پر جاری کیا ہو تا کہ وہ قرب کے مدارج اور دنیا و آخرت کی صلاح تک پہنچ سکیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

(وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ) خص إبراهيم عليه السلام بالذكر، مع أن دين الأنبياء كلهم واحد وهو صرف نفسه وأعضائه وقواه ظاهرًا أو باطنًا في مرضاة الله تعالٰى مشتغلاً به تعالٰى معرضًا عن غيره تعالٰى لاتفاق جميع الأمم على كونه نبيًا حقًا حميدًا في كل دين، ولكون دين الإسلام موافقًا لشريعة إبراهيم عليه السلام في كثير من فروع الأعمال كالصلٰوة

''وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ'۔ اس میں حضرت ابراہیم کو خاص کیا ہے، باوجود اس کے کہ تمام انبیا کا دین ایک ہی ہے، جب کہ حضرت ابراہیم نے اپنی جان، اپنے اعضا اور قویٰ ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لیے صرف کیے، اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہو کر اور اس کے علاوہ سب سے اعراض کرتے ہوئے، اس لیے کہ تمام امتوں کا ہر دین کے معاملے میں ان کے نبی برحق اور محمود ہونے پر اتفاق ہو جائے اور دین اسلام اعمال کی فروع میں

إلى الكعبة والطواف بها ومناسك الحج والختان وحسن الضيافة وغير ذالک من کلمات ابتلاه الله تعالٰی بها فأتمهن.(تفسیر المظہری ۲/ ۴۶۱)

ان کی شریعت کے موافق ہو، جیسا کہ کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا،اس کا طواف کرنا، مناسک حج،ختنہ اور حسن ضیافت اوراس کے علاوہ وہ کلمات جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں آزمایا تو انھوں نے ان کو پورا کر دیا وغیرہ۔‘‘

’’تفسیر عثمانی‘‘میں حلال و حرام کو ملت کے مفہوم میں شامل تصور کیا گیا ہے:

’’... مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے۔‘‘(۳۶۴)

مفتی محمد شفیع کی تفسیر سے واضح ہے کہ وہ شریعت اور احکام کو ملت کے مفہوم میں شامل سمجھتے ہیں:

’’حق تعالیٰ نے جو شریعت واحکام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی بعض خاص احکام کے علاوہ اس کے مطابق رکھی گئی۔‘‘(معارف القرآن ۵/ ۴۰۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ملت ابراہیم کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی تعبیر اختیار کی ہے۔ لکھتے ہیں:

’’... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمھیں معلوم ہے کہ ملت ابراہیمی میں وہ چیزیں حرام نہ تھیں جو یہودیوں کے ہاں حرام ہیں۔ مثلاً یہودی اونٹ نہیں کھاتے، مگر ملت ابراہیمی میں وہ حلال تھا۔ یہودیوں کے ہاں شتر مرغ، بط، خرگوش وغیرہ حرام ہیں، مگر ملت ابراہیمی میں یہ سب چیزیں حلال تھیں۔‘‘(تفہیم القرآن ۲/ ۵۸۰)

اس تفصیل سے یہ بات ہر لحاظ سے واضح ہو گئی ہے کہ ملت ابراہیمی سے مراد دین ابراہیمی ہے اور اس کے مشمولات میں فقط اصولی تصورات نہیں، بلکہ احکام و اعمال بھی شامل ہیں اور سنت درحقیقت دین ابراہیمی ہی کی روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ امت میں بہ حیثیت دین جاری فرمایا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشعراء

(۳)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

نوح کی قوم نے بھی اِسی طرح رسولوں کو جھٹلا دیا[۱۴۷]، جب اُن کے بھائی[۱۴۸] نوح نے اُن سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو[۱۴۹]؟ میں تمھارے لیے ایک رسول امین ہوں[۱۵۰]، اِس لیے اللہ سے ڈرو

۱۴۷۔ اُنھوں نے ایک ہی رسول کو جھٹلایا تھا، مگر کوئی رسول بھی یہ دعوت اُن کے سامنے پیش کرتا تو وہ اُس کے ساتھ وہی معاملہ کرتے جو اُنھوں نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ آیت میں 'مُرْسَلِیْن' کا لفظ اِسی بنا پر جمع استعمال ہوا ہے۔ اِس سے جرم کی سنگینی اور شدت ظاہر ہوتی ہے کہ اُنھوں نے جب ایک رسول کو جھٹلایا تو گویا سب کو جھٹلا دیا۔

۱۴۸۔ نوح علیہ السلام اُن کے لیے کوئی اجنبی شخص نہیں تھے کہ وہ اُن کی زندگی اور احوال سے واقف نہ ہوں اور اُنھیں جھوٹا اور مفتری قرار دے کر اُن کی دعوت کو رد کر دیں۔ وہ اُن کی قوم کے ایک فرد اور اُن کے بھائی تھے۔ یہ حوالہ اِسی حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے لیے دیا گیا ہے۔

۱۴۹۔ یعنی اُس انجام سے ڈرتے نہیں ہو جو خدا سے سرکشی کے نتیجے میں تمھارا منتظر ہے؟

مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ؕ
قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ؕ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ۚ
اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ۚ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ۚ اِنْ
اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ؕ

اور میری بات مانو۔ میں اِس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو رب العٰلمین کے ذمے ہے، سو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اُنھوں نے جواب دیا: کیا ہم تمھیں مان لیں، دراں حالیکہ تمھاری پیروی تو رذیلوں نے اختیار کر رکھی ہے[151]؟ نوح نے کہا: مجھے کیا معلوم جو وہ کرتے رہے ہیں؟ اُن کا حساب میرے رب کے ذمے ہے، اگر تم سمجھنا چاہو[152]۔ (اِس وقت تو وہ آگے بڑھ کر مجھ پر ایمان لے آئے ہیں) اور میں اِن اہل ایمان کو، (تمھاری خوشنودی کے لیے)، دھتکارنے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف ایک کھلا ہوا خبردار کرنے والا ہوں[153]۔ ۱۰۵-۱۱۵

۱۵۰۔ لفظ 'اَمِیْن' سے اِس بات کا اظہار مقصود ہے کہ میں کوئی مفتری نہیں ہوں، بلکہ خدا کا رسول ہوں اور جو امانت میرے سپرد کی گئی ہے، اُسے پوری دیانت داری کے ساتھ تمھیں پہنچا رہا ہوں۔

۱۵۱۔ یہ معارضہ اِس بات کی دلیل ہے کہ نوح علیہ السلام کی دعوت کی تردید میں اُن کی قوم کے متمردین کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ اپنی رعونت کی تسکین کے لیے اُنھوں نے یہ بہانہ ڈھونڈ لیا۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اخلاقی لحاظ سے وہ کس پستی میں گر چکے تھے۔ قرآن کے دوسرے مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنھیں یہ ماجرا سنایا جا رہا ہے، اُن کا حال بھی یہی تھا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہم اشراف مکہ اِن اراذل و انفار کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہیں جو ایمان لا کر تمھارے ساتھی بن گئے ہیں؟

۱۵۲۔ یہ نہایت بلیغ جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِس سے پہلے اُن کے کام رذیلوں کے تھے یا شریفوں کے، مجھے اِس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ یہ اُن کا ماضی ہے اور اِس کا حساب اُن کے پروردگار کے ذمے ہے۔ میں تو اُن کے حاضر کو دیکھ رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اُنھوں نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے، جب کہ تم اُس کا انکار کر رہے ہو، اور آدمی کی شرافت اور رذالت کا انحصار تو اُس کے رویے اور عمل و کردار ہی پر ہوتا ہے۔

۱۵۳۔ یعنی میرا کام انذار ہے اور میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ مجھے ایمان و اسلام کے لیے

قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِيۡنَ ﴿۱۱۶﴾
قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ كَذَّبُوۡنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا وَّنَجِّنِىۡ وَمَنۡ
مَّعِىَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ
اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾
اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ
الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۲﴾

اِس پر وہ بولے: اے نوح، اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگ سار کر دیے جاؤ گے[۱۵۴]۔ ۱۱۶

(بالآخر) نوح نے دعا کی کہ میرے پروردگار، میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے، اِس لیے تو اب میرے اور اُن کے درمیان قطعی فیصلہ فرما دے[۱۵۵] اور مجھے اور میرے ساتھ جو اہل ایمان ہیں، اُنھیں نجات عطا فرما۔ چنانچہ اُس کو اور اُس کے ساتھیوں کو ہم نے بھری ہوئی کشتی[۱۵۶] میں بچا لیا اور باقی سب لوگوں کو اُس کے بعد ہم نے غرق کر دیا۔ ۱۱۷-۱۲۰

اِس میں، یقیناً بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور تیرا پروردگار، اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی[۱۵۷]۔ ۱۲۱-۱۲۲

تمھاری شرائط سننے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ لہٰذا نہیں مانتے ہو تو اِس کی ذمہ داری تمھی پر ہے۔ میں اِس کے لیے مسئول نہیں ہوں۔

۱۵۴۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اِس طرح کی دھمکی وہ پہلے بھی دیتے رہے تھے، لیکن حضرت نوح نے اِس کی کوئی پروا نہیں کی۔ چنانچہ اُنھوں نے پورے زور کے ساتھ کہا کہ اِسے محض دھمکی نہ سمجھو، اب ہم یہ لازماً کر گزریں گے۔

۱۵۵۔ یہ اُسی فیصلے کا ذکر ہے جو رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اُن کی قوموں کے لیے صادر ہوتا ہے اور جس کے نتیجے میں حق کو واضح فتح حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۵۶۔ اِسے بھری ہوئی اِس لیے کہا ہے کہ اِس میں وہ سب چیزیں رکھ لی گئی تھیں جنھیں بچانا مقصود تھا۔

۱۵۷۔ یہ وہی ترجیع ہے جو اِس سے پہلے گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾
اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ
تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾

اِسی طرح عاد[158] نے رسولوں کو جھٹلا دیا[159]، جب اُن کے بھائی ہود نے اُن سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمھارے لیے ایک رسول امین ہوں۔ اِس لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اِس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العٰلمین کے ذمے ہے[160]۔ ۱۲۳-۱۲۷

(یہ تمھارا کیا حال ہے)؟ کیا ہر اونچی زمین پر تم اِسی طرح لاحاصل یادگاریں بناتے رہو گے؟ اور اِسی طرح بڑے بڑے محل تعمیر کرتے رہو گے گویا تمھیں ہمیشہ رہنا ہے[161]؟ اور جب کسی پر

www.javedahmadghamidi.org

۱۵۸۔ عاد عرب کی قدیم ترین قوم ہے۔ یہ سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اِن کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو حجاز، یمن اور یمامہ کے درمیان الربع الخالی کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ عرب کے لٹریچر میں یہ اپنی قدامت کے لیے بھی ضرب المثل ہیں اور اپنی قوت و شوکت کے لیے بھی۔ حضرت ہود اِنھی کے ایک فرد تھے جنھیں رسول کی حیثیت سے اِن کی طرف مبعوث کیا گیا۔

۱۵۹۔ ایک رسول کے جھٹلانے کو تمام رسولوں کے جھٹلانے سے تعبیر کرنے کی وجہ اوپر آیت ۱۰۵ کے تحت بیان ہو چکی ہے۔

۱۶۰۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے بندو، میری بات تو سنو۔ میں جو کچھ تمھیں دے رہا ہوں، بالکل مفت دے رہا ہوں۔ میں نے اِس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگ لیا ہے جو تم پر گراں گزرا ہے اور تم اُس سے گریز و فرار کے راستے تلاش کر رہے ہو۔

۱۶۱۔ اصل الفاظ ہیں: 'لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ'۔ اِن میں 'لَعَلَّكُمْ'، 'گویا کہ' کے مفہوم میں ہے اور فصیح عربی میں یہ اِس مفہوم میں بھی آتا ہے۔ آیت میں جس رویے کی مذمت کی گئی ہے، وہ اِن الفاظ سے اور اوپر

وَاتَّقُوا الَّذِيٓ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ
وَّعُيُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۳۵﴾
قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡنَآ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَكُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنۡ هٰذَآ اِلَّا

ہاتھ ڈالو گے تو جبار بن کر ڈالو گے[۱۶۲]؟ سو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اُس سے ڈرو، جس نے تمھیں وہ چیزیں عطا فرمائی ہیں جنھیں تم خوب جانتے ہو۔ اُس نے تمھیں جانور، بیٹے، باغ اور چشمے عطا فرمائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (تمھارے کرتوتوں کی وجہ سے) میں تم پر ایک ہول ناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں[۱۶۳]۔ ۱۲۸-۱۳۵

اُنھوں نے جواب دیا: ہمارے لیے یکساں ہے، خواہ تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والے نہ بنو۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

'تَعۡبَثُوۡنَ' کے لفظ سے واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا اور آخرت پر ایمان کے تقاضوں کو بھول کر اور کسی تمدنی، سماجی، معاشی اور معاشرتی ضرورت کے بغیر عمارتیں تعمیر کرنا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غریبوں کے پاس سر چھپانے کے لیے جھونپڑے بھی نہیں ہوتے اور خشت و آہن کے فلک بوس منار شب و روز خدا کی زمین پر بلند ہوتے رہتے ہیں، جن میں نمایش اور تفاخر کے سوا کوئی چیز پیش نظر نہیں ہوتی۔ یہ رویہ انفرادی زندگی میں ہو یا اجتماعی زندگی میں، بہر حال قابل مذمت اور اِس بات کی علامت ہے کہ تمدن کا مزاج بالکل فاسد ہو چکا ہے۔ کسی صالح تمدن میں حاجیات و ضروریات ہمیشہ کمالیات و تعیشات پر مقدم ہوتی ہیں اور معاشرے کے تمام طبقات نہایت متوازن طریقے پر تعمیر و ترقی کے کاموں سے مستفید ہوتے ہیں۔

۱۶۲۔ یعنی جنگ کرو گے تو کسی شر و فساد اور ظلم و عدوان کے استیصال کے لیے نہیں، بلکہ اپنی قوت و صولت کے مظاہرے اور دوسروں کو مغلوب و محکوم بنانے کے لیے کرو گے۔ یہ، ظاہر ہے کہ صریح فساد فی الارض ہے جس کا ارتکاب خدا سے ڈرنے والے کبھی نہیں کر سکتے۔

۱۶۳۔ نہایت دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ تذکیر و نصیحت اور خدا کے بے پایاں افضال و عنایات کی طرف توجہ دلانے کے بعد یہ آخر میں ہود علیہ السلام نے متنبہ کیا ہے کہ میں تمھارے سروں پر ایک ہول ناک عذاب کو منڈلاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اِس لیے کہ اتمام حجت کے بعد یہ عذاب لازماً آجاتا ہے۔

خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

کچھ نہیں، (تم جو باتیں کر رہے ہو)، یہی عادت اگلوں کی بھی رہی ہے۔ (یہ محض تمھارے ڈراوے ہیں)، ہم پر ہرگز کوئی عذاب آنے والا نہیں ہے[۱۶۴]۔ بالآخر اُنھوں نے اُس کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے بھی اُنھیں ہلاک کر ڈالا۔ اِس میں یقیناً بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور تیرا پروردگار، اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی[۱۶۵]۔ ۱۳۶-۱۴۰

ثمود[۱۶۶] نے بھی رسولوں کو جھٹلا دیا، جب اُن کے بھائی صالح نے اُن سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمھارے لیے ایک رسول امین ہوں، اِس لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اِس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العٰلمین کے ذمے ہے۔ ۱۴۱-۱۴۵

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۶۴۔ ہود علیہ السلام کی دردمندانہ اپیل کے جواب میں آخری درجے کی قساوت ہے جس کا اظہار اِن استہزائیہ جملوں میں ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر بیٹھو، ہمیں تمھاری نصیحتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مذہب و اخلاق کے علم بردار اِس سے پہلے بھی اِسی طرح عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں، لیکن یہ دھمکیاں نہ پہلے کبھی پوری ہوئی ہیں، نہ اب پوری ہوں گی۔

۱۶۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور آپ کے مخاطبین کی تہدید و وعید کے لیے یہ سلسلۂ کلام بھی حسب سابق ترجیع پر ختم ہوا ہے۔

۱۶۶۔ یہ عاد کے بقایا میں سے ہیں۔ اِسی بنا پر اِنھیں عاد ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ عرب کی قدیم اقوام میں سے یہ دوسری قوم ہے جس نے عاد کے بعد غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ اِن کا مسکن شمال مغربی عرب کا وہ علاقہ ہے جسے الحجر کہا جاتا ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ
طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

(تمھارا کیا خیال ہے)، کیا تم اِنھی نعمتوں میں اطمینان کے ساتھ رہنے دیے جاؤ گے جو یہاں (تم کو میسر) ہیں؟ باغوں اور چشموں اور کھیتوں میں، اور کھجوروں میں جن کے خوشے آپس میں گتھے ہوئے ہوتے ہیں[۱۶۷]؟ اور پہاڑوں کو کھود کر (اِسی طرح) فخر جتاتے، خوش خوش گھر بناتے رہو گے[۱۶۸]؟ سو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو اور اُن حد سے گزر جانے والوں کی بات نہ مانو جو زمین میں

۱۶۷۔ یہ اُس خوش حالی اور رفاہیت کا بیان ہے جو خدا نے اِس قوم کو عطا کر رکھی تھی اور دنیا کی اکثر قوموں کی طرح یہی خوش حالی اور رفاہیت اِس کی غفلت، سرکشی اور خدا سے بے نیازی کا باعث بن گئی تھی۔ اِس کے لیے باغ کے اجزا مستعار لیے گئے ہیں اور یہ وہی باغ ہے جسے عرب پسند کرتے تھے کہ اُس میں انار اور انگور ہوں، اُس کے نیچے نہر بہتی ہو، بیچ میں کھیتی کی چیزیں اگائی گئی ہوں اور کنارے کنارے کھجور کے بلند و بالا درخت باڑ کی صورت میں لگے ہوئے ہوں۔ صالح علیہ السلام نے اِسی باغ و بہار کی طرف توجہ دلا کر فرمایا ہے کہ کیا یہ خیال کرتے ہو کہ تمھارا یہ عیش دائمی اور ابدی ہے، اِس پر کبھی زوال نہ آئے گا، تم اِسی طرح چھوڑ دیے جاؤ گے اور جس پروردگار نے یہ سب تمھیں عطا فرمایا ہے، وہ کبھی اِس کا حساب تم سے نہ مانگے گا؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...ہر نعمت منعم کی شکرگزاری کا حق واجب کرتی ہے اور اِس شکرگزاری کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ برابر چوکنا رہے کہ مبادا کسی نعمت کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے۔ نعمت کسی کا حق نہیں، بلکہ منعم کی طرف سے ایک امانت ہے۔ اِس وجہ سے جس کی تحویل میں جتنی ہی زیادہ امانت ہو، اُس کو اتنا ہی زیادہ فکر مند اور بیدار رہنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص نعمت پا کر نچنت ہو کر سو رہے کہ یہ نعمت اُس کا حق ہے اور وہ اِس میں عیش کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے تو وہ نہایت احمق ہے۔“ (تدبر قرآن ۵/۵۴۲)

۱۶۸۔ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنانے کے فن میں یہ لوگ جس کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اُس کے آثار آج بھی مدائن صالح میں موجود ہیں۔ یہ آثار ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں اور کم و بیش ویسے ہی ہیں، جیسے ہندوستان میں ایلورا، اجنٹا اور بعض دوسرے مقامات میں پائے جاتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾ۚ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۖۚ فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۵۴﴾

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۱۵۵﴾ۚ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوۡهَا فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِيۡنَ ﴿۱۵۷﴾ۙ

فساد برپا کرتے ہیں[۱۶۹]، اُس کی اصلاح نہیں کرتے[۱۷۰]۔ ۱۴۶-۱۵۲

وہ بولے: کچھ نہیں، تم پر تو کسی نے بری طرح جادو کر دیا ہے (جس سے تمھاری عقل ماری گئی ہے)۔ تم ہماری طرح کے ایک آدمی ہی ہو، اِس لیے کوئی نشانی لاؤ، اگر تم سچے ہو۔ ۱۵۳-۱۵۴

صالح نے کہا: یہ ایک اونٹنی ہے[۱۷۱]۔ ایک دن پانی پینے کی باری اِس کی ہے اور ایک مقرر دن کی باری تمھارے لیے ہے[۱۷۲]۔ اور (سنو)، اِس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ ایک ہول ناک دن

آیت میں 'فٰرِهِيۡنَ' کا لفظ بھی قابل توجہ ہے۔ یہ اُسی ذہنیت کے ایک دوسرے پہلو کو نمایاں کرتا ہے جو اوپر لفظ 'اٰمِنِيۡنَ' سے واضح ہوتی ہے۔ یعنی احساس تفاخر سے مگن اور اپنے طرز عمل کے نتائج و عواقب سے بالکل بے پروا۔ درحقیقت یہی وہ چیز ہے جو تعمیر و ترقی کو معاشرے اور تمدن کے لیے ناسور بنا دیتی ہے۔ ورنہ مادی ترقی کوئی جرم نہیں ہے اور نہ فلک بوس عمارتیں بنانا لازماً کسی فساد کی نشانی ہے۔ یہ صحیح وقت پر بنائی جائیں تو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے 'صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ' کی طرح حق و باطل میں امتیاز اور معرفت الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

۱۶۹۔ اِس سے مراد وہی رویہ ہے جو پیچھے 'اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ' کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

۱۷۰۔ یعنی اُس میں لوگوں کو بھلائی کی تلقین نہیں کرتے اور نہ دوسروں کی حق تلفی اور اُن پر تعدی سے اُنھیں روکتے ہیں۔ یہ وہی تقاضا ہے جسے قرآن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کرتا ہے۔

۱۷۱۔ یعنی ایک اونٹنی ہے جسے میں نے نامزد کر دیا ہے۔ دوسری جگہ وضاحت ہے کہ اُسے خدا کی نذر کر کے نامزد کیا گیا تھا۔

۱۷۲۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کو پانی پلانے کا گھاٹ ایک ہی تھا۔ چنانچہ اِس پابندی سے قوم

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۹﴾
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ ۚ

کا عذاب تمھیں آ پکڑے گا[۱۷۳]۔ اِس پر بھی اُنھوں نے اُس کی کوچیں کاٹ دیں[۱۷۴]، سو پچھتاتے رہ گئے اور بالآخر اُنھیں عذاب نے آلیا[۱۷۵]۔ اِس میں، یقیناً بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور تیرا پروردگار، اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی[۱۷۶]۔ ۱۵۵-۱۵۹

لوط[۱۷۷] کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلا دیا، جب کہ اُن کے بھائی لوط نے اُن سے کہا: کیا تم

کے لیے نہایت سخت آزمایش پیدا ہو گئی۔

۱۷۳۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے یہ خدا کے عذاب کی نشانی ہے۔ اِس کو گزند پہنچاؤ گے تو سمجھ لو کہ امان کی دیوار گر گئی۔ اِس کے بعد قہر الٰہی کے سیلاب کو کوئی چیز تمھاری بستیوں میں داخل ہونے سے روک نہ سکے گی۔

۱۷۴۔ اونٹنی کو مارنے کا جرم اگرچہ اُن کے ایک سرکش سردار نے کیا تھا، مگر قرآن نے اِسے پوری قوم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ باقی متمردین بھی اِس پر راضی تھے۔

۱۷۵۔ یہ اونٹنی قوم کی سرکشی کو جانچنے کا ایک پیمانہ تھی۔ اِس کو مارنے سے واضح ہو گیا کہ یہ لوگ اب مزید کسی مہلت کے مستحق نہیں رہے۔ چنانچہ عذاب کا حکم صادر ہو گیا اور قوم عاد کی طرح یہ بھی زمین سے مٹا دیے گئے۔

۱۷۶۔ یہ وہی آیت ترجیع ہے جو اوپر گزر چکی ہے اور اِس کا موقع و محل بالکل واضح ہے۔

۱۷۷۔ حضرت لوط سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اُن کی قوم اُس علاقے میں رہتی تھی جو شام کے جنوب میں عراق و فلسطین کے درمیان واقع ہے اور آج کل شرق اردن کہلاتا ہے۔ بائیبل میں اُن کے سب سے بڑے شہر کا نام سدوم بتایا گیا ہے۔ لوط علیہ السلام کا تعلق اُس قوم کے ساتھ وہی تھا جو حضرت موسیٰ کا قوم فرعون کے ساتھ تھا۔ اُن کی بیوی کا ذکر آگے جس اسلوب میں ہوا ہے، اُس سے اشارہ نکلتا ہے کہ اُن کی شادی اُسی قوم کے اندر ہوئی تھی اور اِس لحاظ سے وہ اُنھی کے ایک فرد بن چکے تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ
مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾
اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ
مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَہِ یٰلُوْطُ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾

ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمھارے لیے ایک رسول امین ہوں، اِس لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اِس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ رب العٰلمین کے ذمے ہے۔ ۱۶۰-۱۶۴

(خدا کے بندو)، کیا تم (شہوت رانی کے لیے) دنیا کے لوگوں میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے جو تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں، اُنھیں چھوڑ دیتے ہو[۱۷۸]؟ نہیں، (یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے)، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو حد سے گزر گئے ہو۔ ۱۶۵-۱۶۶

وہ بولے کہ اے لوط، اگر تم (ایسی باتوں سے) باز نہ آئے تو یہاں سے لازماً نکال باہر کیے جاؤ گے[۱۷۹]۔ ۱۶۷

۱۷۸۔ یہ استفہام اظہار نفرت و کراہت کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے اِس مقصد کے لیے زن و مرد کے جوڑے پیدا کیے تھے۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر کس اوندھی فطرت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ پھر لڑکے تو لڑکے، تمھارے مرد تک اِسی لعنت میں گرفتار ہیں۔ یہ کیسا فساد طبیعت ہے جس نے تمھیں اِس مرض خبیث میں مبتلا کر دیا ہے؟ اِس نفرت و کراہت اور اظہار تعجب کی وجہ یہ ہے کہ زنا اپنے تمام مفاسد کے باوجود نفس انسانی کی بنیادی ترکیب میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا، لیکن یہ بیماری لاحق ہو جائے تو اِس ترکیب میں خلل عظیم پیدا کر دیتی ہے۔

۱۷۹۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ اِس طرح کی دھمکی وہ پہلے بھی دیتے رہے تھے، لیکن اب اُنھوں نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ اپنی زبان بند رکھو، ورنہ ہم جو کچھ کہتے رہے ہیں، وہ کر گزریں گے۔

قَالَ اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ؕ رَبِّ نَجِّنِیۡ وَاَہۡلِیۡ مِمَّا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾
فَنَجَّیۡنٰہُ وَاَہۡلَہٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾ۙ اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ۚ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۱۷۲﴾ۚ
وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۱۷۳﴾

لوط نے جواب دیا: (کوئی پروا نہیں)، میں تمھارے اِس عمل سے سخت بے زار لوگوں میں سے ہوں[۱۸۰]۔ (تب اُس نے دعا کی): میرے پروردگار، تو مجھے اور میرے گھر والوں کو اُس عمل کے انجام[۱۸۱] سے نجات عطا فرما جو یہ کر رہے ہیں[۱۸۲]۔ سو ہم نے اُسے اور اُس کے سب گھر والوں کو نجات دی، ایک بڑھیا کے سوا[۱۸۳] جو پیچھے رہنے والوں میں رہ گئی۔ پھر (اُس کو اور) باقی سب لوگوں کو ہم نے ہلاک کر مارا اور اُن پر (پتھروں کی) ہول ناک بارش برسا دی[۱۸۴]۔ تو کیا ہی بری بارش تھی جو اُن پر برسائی گئی جنھیں خبردار کر دیا گیا تھا۔۱۶۸-۱۷۳

۱۸۰۔ یعنی اُن لوگوں میں سے ہوں جن کی فطرت سلیم اور عقل مستقیم ہے اور جو ایسی چیزوں سے بے زار ہی ہوا کرتے ہیں۔

۱۸۱۔ اِس جملے میں ایک مضاف عربیت کے قاعدے سے محذوف ہے، یعنی 'من عقوبة ما یعملون'۔ یہ اُسی کا ترجمہ ہے۔

۱۸۲۔ اِس طرح کی دعا اُسی وقت پیغمبر کی زبان پر آتی ہے، جب سنت الٰہی کے مطابق اُس کی قوم پر عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

۱۸۳۔ یہ تحقیر کا اسلوب ہے اور اِس سے حضرت لوط کی بیوی مراد ہے جو اُن پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔

۱۸۴۔ سورۂ ہود میں تصریح ہے کہ یہ پتھروں کی بارش تھی۔ اِس تباہی کے آثار اِن کے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بحر لوط (بحیرۂ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے اور خاص اِس کے جنوبی علاقے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں اِس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روے زمین پر کہیں اور نہیں دیکھی گئی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْــَٔــيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ۚ
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ۚ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ۭ

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ۚ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ۚ
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ۚ

اِس میں، یقیناً بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور تیرا پروردگار، اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی[185]۔ ۱۷۴-۱۷۵

اِسی طرح بن والوں[186] نے بھی رسولوں کو جھٹلا دیا، جب شعیب نے اُن سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمھارے لیے ایک رسول امین ہوں، اِس لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ میں اِس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اللہ، رب العٰلمین کے ذمے ہے۔ ۱۷۶-۱۸۰

(میں تم سے کہتا ہوں کہ) پیمانہ پورا بھرو اور کسی کو نقصان دینے والے نہ بنو اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دو[187]۔ اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو

۱۸۵۔ یہ آیت ترجیع ہے۔

۱۸۶۔ پچھلی سورتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ شعیب علیہ السلام مدین والوں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ یہ بستی ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدیان کے نام پر مدین یا مدیان کہلاتی تھی، جو اُن کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے۔ اِس کے قریب ایک بہت بڑا بن تھا۔ عربی زبان میں جھاڑی اور بن کے لیے 'أیکة' کا لفظ آتا ہے۔ آیت میں اِسی بنا پر اِن کا ذکر 'اَصْحٰبُ لْـَٔـيْكَةِ'، یعنی بن والوں کے الفاظ سے ہوا ہے۔

۱۸۷۔ اُس زمانے کی دو بڑی تجارتی شاہراہیں مدین کے قریب سے گزرتی تھیں، اِس وجہ سے مدین کے لوگوں نے بھی تجارت میں بہت ترقی کر لی تھی۔ چنانچہ اِن کے باطنی فساد کا ظہور ناپ تول میں خیانت اور اشیا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وَاتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَ الۡجِبِلَّۃَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۸۴﴾ؕ
قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۸۵﴾ۙ وَ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَ اِنۡ
نَّظُنُّکَ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۱۸۶﴾ۚ
فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۷﴾ؕ قَالَ رَبِّیۡۤ
اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَخَذَہُمۡ عَذَابُ یَوۡمِ الظُّلَّۃِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَذَابَ

اور اُس (خدا) سے ڈرو جس نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلی نسلوں کو بھی۔۱۸۱-۱۸۴

اُنھوں نے جواب دیا: کچھ نہیں، تم پر تو کسی نے بری طرح جادو کر دیا ہے (جس سے تمھاری عقل ماری گئی ہے) اور یہ بھی کہ تم ہماری طرح کے ایک آدمی ہی ہو اور ہم تو تمھیں بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں۔۱۸۵-۱۸۶

سو اگر تم سچے ہو تو آسمان سے ہم پر کوئی ٹکڑا گرا دو[۱۸۸]۔ شعیب نے کہا: میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو[۱۸۹]۔ بالآخر اُنھوں نے اُسے جھٹلا دیا تو سائبان والے دن کے عذاب نے اُنھیں

میں ملاوٹ کی صورت میں بھی ہوا۔ یہ اِس بات کی علامت تھی کہ پوری قوم کے اندر عدل و قسط کا تصور مختل ہو چکا اور خدا کے قائم بالقسط ہونے کا عقیدہ باقی نہیں رہا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے ایک میزان کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اِسی میزان پر یہ آسمان و زمین قائم ہیں۔ اگر یہ درہم برہم ہو جائے تو یہ آسمان و زمین درہم برہم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ نظام انسانوں کو یہ رہنمائی دیتا ہے کہ وہ بھی اپنے اندر ہر شعبۂ زندگی میں صحیح میزان کے قیام کا پورا پورا اہتمام رکھیں، ورنہ اُن کا سارا معاشی و معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔“(تدبر قرآن ۵/ ۵۵۲)

۱۸۸۔ یعنی جس آسمانی عذاب کی دھمکی دیتے رہے ہو، وہ لے آؤ۔ قرآن میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ یہی بات قریش مکہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی تھی۔

۱۸۹۔ یہ تفویض الی اللہ کا کلمہ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... مطلب یہ ہے کہ آسمان سے ٹکڑے گرانا میرے اختیار میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾

آ پکڑا[۱۹۰] اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایک ہول ناک دن کا عذاب تھا۔۱۸۷-۱۸۹
اِس میں، یقیناً بہت بڑی نشانی ہے، لیکن اِن میں سے اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور تیرا پروردگار،
اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت مہربان بھی[۱۹۱]۔ ۱۹۰-۱۹۱

تمھاری کارستانیوں سے اچھی طرح باخبر ہے تو میں اِس معاملے کو اُسی کے حوالے کرتا ہوں۔ اُس کی حکمت کا جو تقاضا ہو گا، وہ ظہور میں آئے گا اور بالکل ٹھیک وقت پر ظہور میں آئے گا۔'' (تدبر قرآن ۵/ ۵۵۳)

۱۹۰۔ یعنی اُس دن کا عذاب جس میں غبار اٹھا، بادل اُمڈ کر آئے اور حاصب کے طوفان نے ایک سائبان کی طرح اُنھیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ اِس طرح کے عذاب میں چونکہ آندھی، طوفان، رعد و برق اور چیخنے چنگھاڑنے کی آوازیں، سب اکٹھی ہو جاتی ہیں، اِس لیے دوسرے مقامات میں اِس کو 'رَجْفَة' اور 'صَيْحَة' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں اِس کا وہ منظر نگاہوں کے سامنے لانا مقصود ہے، جب یہ دور سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ چنانچہ 'عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ' کی تعبیر اِسی رعایت سے اختیار فرمائی ہے۔

۱۹۱۔ یہ آیت ترجیع ہے جو ہر سرگذشت کے بعد اِسی طرح آئی ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

عذاب قبر

(۲)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

—— ۶ ——

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ:[1] قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ [خَطِيبًا،[2]] فَذَكَرَ الْفِتْنَةَ الَّتِي يُفْتَنُ بِهَا الْمَرْءُ فِي قَبْرِهِ، فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً حَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَنْ أَفْهَمَ [آخِرَ[3]] كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا سَكَنَتْ ضَجَّتُهُمْ، قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيبٍ مِنِّي: أَيْ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي آخِرِ قَوْلِهِ؟ قَالَ: «قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ».

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اُس فتنہ کا ذکر کیا جس سے آدمی کو قبر میں آزمایا جائے گا۔ جب

آپ نے اُس کا ذکر کیا تو مسلمان ایسی آہ وبکا کرنے لگے کہ (اُس کے شور سے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بات سمجھ نہیں سکی۔ پھر جب اُن کی چیخوں کی آواز تھم گئی تو میں نے قریب بیٹھے ایک شخص سے کہا: اللہ تیرے لیے برکت فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا؟ (اُس نے کہا): آپ نے فرمایا تھا کہ یہ بات مجھ پر وحی ہوئی ہے کہ تم لوگ قبروں میں آزمائے جاؤ گے، کم و بیش اُتنے ہی، جتنے دجال کے فتنے میں[1]۔

۱۔ اِس باب کی دوسری روایتوں سے واضح ہے کہ بات اِس سے زیادہ نہیں تھی کہ لوگ قبروں میں بھی اُسی طرح آزمائے جائیں گے، جس طرح دجال کے فتنے میں۔ چنانچہ مدعا بھی یہی تھا اور یہی ہونا چاہیے کہ قبر اور دجال کا فتنہ، دونوں برحق ہیں اور دونوں لازماً پیش آئیں گے۔ اِس سے ہرگز یہ مقصود نہیں تھا کہ دونوں میں کسی معنوی تعلق کی طرف اشارہ کیا جائے، مگر راویوں کے تصرفات نے اُس کو یہ صورت دے دی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۶۲ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی تنہا اسماء رضی اللہ عنہا ہیں۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: صحیح بخاری، رقم ۱۳۷۳۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۲۰۰۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۳۹۷۔ البعث، ابن ابی داؤد، رقم ۱۱، ۱۲۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۰۲۔

۲۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۷۳۔

۳۔ البعث، ابن ابی داؤد، رقم ۱۱۔

— ۷ —

عَنْ أَسْمَاءَ أَيْضًا، قَالَتْ[1]: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ [فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ،[2]] [وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ،[3]] فَدَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ [وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي[4]]، فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ

يُصَلُّونَ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى السَّمَاءِ [أَوْ قَالَتْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ![٥]]، فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ قَالَتْ: نَعَمْ[٦]، فَأَطَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْقِيَامَ جِدًّا حَتَّى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَأَخَذْتُ قِرْبَةً إِلَى جَنْبِي، فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ، فَخَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَحَمِدَ اللّٰهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَكُنْ رَأَيْتُهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا، حَتَّى الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، إِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا، أَوْ مِثْلَ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، يُؤْتَى أَحَدُكُمْ، «فَيُقَالُ: مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوقِنُ»، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، «فَيَقُولُ: هُوَ مُحَمَّدٌ، هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى، فَأَجَبْنَا [وَآمَنَّا[٧]] وَاتَّبَعْنَا، ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَيُقَالُ لَهُ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ إِنْ كُنْتَ لَتُؤْمِنُ بِهِ، فَنَمْ صَالِحًا، وَأَمَّا الْمُنَافِقُ، أَوِ الْمُرْتَابُ»، لَا يَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ، «فَيَقُولُ: مَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُ، [فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ فَيُغْلَظُ لَهُ فِي قَبْرِهِ[٨]]».

سیدہ اسماءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا تو کیا دیکھتی ہوں کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت کرا رہے ہیں۔ میں سیدہ عائشہ کے ہاں داخل ہوئی تو دیکھا کہ وہ بھی نماز میں کھڑی ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا: کیا بات ہے، لوگ اِس وقت نماز پڑھ رہے ہیں؟ اِس پر اُنھوں نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اسماء کہتی ہیں کہ یا غالباً زبان سے 'سبحان اللہ' کہا تو میں نے کہا: اچھا، تو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خدا کی کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے؟ سیدہ نے اشارے سے ہاں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس نماز میں اتنا لمبا قیام فرمایا کہ مجھ پر بے ہوشی سی طاری ہونے لگی[1]۔ اِس پر میں نے پہلو میں رکھا ہوا ایک مشکیزہ اُٹھایا اور اُس سے اپنے سر پر پانی بہانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے میں نماز پڑھا کر پلٹے۔ اُس وقت سورج روشن ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے خطبہ دیا، اُس میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: اما بعد، میں نے آج وہ چیزیں دیکھ لی ہیں جو اِس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں، یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا ہے، اور مجھے یہ بات بھی وحی کی گئی ہے کہ تم لوگ اپنی قبروں میں کم و بیش اتنے ہی یا غالباً فرمایا کہ اُسی طرح آزمائے جاؤ گے، جس طرح دجال کے فتنے میں آزمائے جاؤ گے۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اِن دونوں میں سے کیا تعبیر اختیار کی تھی[2]۔ فرمایا: پھر تمھارے مُردوں کے پاس فرشتے آئیں گے اور اُن سے سوال کیا جائے گا کہ تم اِس شخص کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ جو مومن ہو گا، یا فرمایا کہ یقین رکھنے والا ہو گا، راوی کہتے ہیں کہ اُنھیں یاد نہیں رہا کہ اسماء نے کیا لفظ بولا تھا ــــ وہ جواب میں تین مرتبہ دہرا کر کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے تھے، ہم نے اُن کی آواز پر لبیک کہا، اُن پر ایمان لائے اور اُن کی پیروی اختیار کر لی۔ اِس پر اُس سے کہا جائے گا: یقیناً ہم جانتے تھے کہ تم اِن پر ایمان رکھتے ہو، لٰہذا اب اطمینان سے سو جاؤ۔ رہا منافق یا شک میں رہنے والا ــــ راوی کو یاد نہیں رہا کہ اسماء نے کیا لفظ کہا تھا ــــ فرمایا کہ وہ اِس سوال کے جواب میں کہے گا: مجھے کچھ نہیں معلوم، میں نے لوگوں کو کوئی بات کہتے ہوئے سنا تھا، وہی میں نے بھی کہہ دی تھی۔ اِس پر اُس سے کہا جائے گا: تو نے کچھ نہ سمجھا۔ پھر قبر میں اُس پر سختی شروع ہو جائے گی[3]۔

۱۔ یہ واقعہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔ سیدہ کی اِس حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً سخت گرمی کا موسم ہو گا کہ لمبے قیام کی وجہ سے وہ بے ہوش ہونے لگیں۔

۲۔ راوی کا تردد بتا رہا ہے کہ اِس جملے کو سمجھنے میں اُس سے کیا غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ 'اُسی طرح آزمائے

جاؤگے' کی تعبیر ہی ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ یعنی جس طرح دجال کا فتنہ ہو گا، اُسی طرح قبر کا فتنہ بھی ہو گا، اِس لیے دونوں سے اللہ کی پناہ مانگتے رہو۔

۳۔ اِس سے واضح ہے کہ یہ معاملہ اُنھی لوگوں کے ساتھ ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے براہ راست مخاطبین تھے اور آپ کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود آخر وقت تک منافقوں ہی کے زمرے میں شامل رہے۔ اِس طرح کے لوگوں کا یہی انجام قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ'، ''تمھارے اردگرد جو بدوی رہتے ہیں، اُن میں بھی بہت سے منافق ہیں اور مدینہ والوں میں بھی۔ وہ اپنے نفاق میں طاق ہو چکے ہیں۔ تم اُن کو نہیں جانتے، ہم اُن کو جانتے ہیں۔ اُنھیں عنقریب ہم دو مرتبہ سزا دیں گے۔ پھر وہ ایک عذاب عظیم کی طرف دھکیل دیے جائیں گے'' (۹: ۱۰۱)۔ یعنی ایک مرتبہ اِسی دنیا میں اور ایک مرتبہ قیامت سے پہلے برزخ میں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۲۶۹۲۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی بھی تنہا اسماء رضی اللہ عنہا ہیں۔ اِس کے باقی طرق جن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں، وہ یہ ہیں: موطا مالک، رقم ۲۰۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۱۰۔ صحیح بخاری، رقم ۸۶، ۱۸۴، ۲۸۷۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۳۹۵، ۳۹۶، ۲۴۳۷، ۲۴۳۸، ۲۴۳۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۱۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۱۳، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۸، ۱۹۔

۲۔ موطا مالک، رقم ۲۰۱۔

۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۱۴۔

۴۔ صحیح بخاری، رقم ۱۸۴۔

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۱۰۔

۶۔ بعض طرق، مثلاً صحیح بخاری، رقم ۸۶ میں یہاں یہ الفاظ آئے ہیں: 'فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: أَيْ نَعَمْ'، ''اِس پر اُنھوں نے اپنے سر سے اشارہ کرتے اثبات میں جواب دیا''۔

۷۔ صحیح بخاری، رقم ۱۸۴۔

۸۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۱۴۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۹ میں یہاں 'فَيُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ'، ''پھر اُس کو اپنی قبر میں عذاب ہو گا'' کے الفاظ آئے ہیں۔

— ۸ —

عَنْ أَسْمَاءَ أَيْضًا، تُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ[1] «إِذَا دَخَلَ الْإِنْسَانُ قَبْرَهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا، أَحَفَّ بِهِ عَمَلُهُ [الصَّالِحُ[2]]، الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ». قَالَ: «فَيَأْتِيهِ الْمَلَكُ مِنْ نَحْوِ الصَّلَاةِ، فَيَرُدُّهُ، وَمِنْ نَحْوِ الصِّيَامِ، فَيَرُدُّهُ». قَالَ: «فَيُنَادِيهِ: اجْلِسْ». قَالَ: «فَيَجْلِسُ، فَيَقُولُ لَهُ: مَاذَا تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ، يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَ: مَنْ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قَالَ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ» قَالَ: «يَقُولُ: وَمَا يُدْرِيكَ؟ أَدْرَكْتَهُ؟ قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ». قَالَ: «يَقُولُ: عَلَى ذٰلِكَ عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ». قَالَ: «وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا، أَوْ كَافِرًا» قَالَ: «جَاءَ الْمَلَكُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ يَرُدُّهُ». قَالَ: «فَأَجْلَسَهُ». قَالَ: «يَقُولُ: اجْلِسْ، مَاذَا تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَ: أَيُّ رَجُلٍ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ». قَالَ: «يَقُولُ: وَاللهِ مَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا، فَقُلْتُهُ». قَالَ: «فَيَقُولُ لَهُ الْمَلَكُ: عَلَى ذٰلِكَ عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ». قَالَ: «وَتُسَلَّطُ عَلَيْهِ دَابَّةٌ فِي قَبْرِهِ [سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ[3]]، مَعَهَا سَوْطٌ، ثَمَرَتُهُ جَمْرَةٌ مِثْلُ غَرْبِ الْبَعِيرِ، تَضْرِبُهُ مَا شَاءَ اللهُ، صَمَّاءُ لَا تَسْمَعُ صَوْتَهُ فَتَرْحَمُهُ».

اسماء رضی اللہ عنہا ہی کا بیان ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

فرمایا: انسان اگر بندۂ مومن ہو تو جیسے ہی اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے، اُس کے نیک اعمال، مثلاً نماز اور روزے اُس کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ فرشتہ نماز کی طرف سے آنا چاہتا ہے تو وہ اُس کو روک دیتی ہے اور روزے کی طرف سے آنا چاہے تو روزہ روک دیتا ہے۔ پھر فرشتہ اُسے پکار کر کہتا ہے: بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ جاتا ہے تو اُس سے پوچھتا ہے کہ تم اِس شخص، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ پوچھتا ہے، کون شخص؟ فرشتہ کہتا ہے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ فرمایا کہ فرشتہ کہتا ہے: تو اِسی پر زندہ رہا، اِسی پر تجھے موت آئی اور تجھے اٹھایا بھی اِسی پر جائے گا۔ لیکن مرنے والا فاجر یا کافر ہو تو فرشتہ آجاتا ہے اور کوئی چیز اُس کو لوٹانے کے لیے درمیان میں نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ فرشتہ اُس کو بٹھا کر کہتا ہے کہ بتاؤ کہ اِس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ کہتا ہے: کون شخص؟ فرشتہ جواب دیتا ہے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ مردہ کہتا ہے: بخدا، مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تھا، سو میں نے بھی وہی کہہ دیا۔ فرمایا کہ فرشتہ یہ سن کر اُس سے کہتا ہے: تو اِسی پر زندہ رہا، اِسی پر تجھے موت آئی اور تجھے اٹھایا بھی اِسی پر جائے گا۔ فرمایا کہ پھر قبر میں انتہائی سیاہ رنگ کا ایک جانور اُس پر مسلط کر دیا جائے گا، اُس کے پاس ایک کوڑا ہوگا جس کے نیچے سے ایسی چنگاری نکلے گی، جیسے بڑا ڈول ہو، جسے کوئی اونٹ ہی کنویں سے نکال سکتا ہے۔ پھر جب تک اللہ کو منظور ہوا، وہ اُسے کوڑا مارتا رہے گا۔ وہ جانور بہرا ہوگا، اُس کی آواز نہیں سن سکے گا کہ اُس کو اُس پر رحم آجائے[1]۔

ا۔ بعض تفصیلات کے ساتھ یہ وہی مضمون ہے جو اِس سے پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

متن کے حواشی

ا۔ اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۲۶۹۷۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کی راوی تنہا اسماء رضی اللہ عنہا ہیں۔ اِس کا ایک ہی متابع ہے جو المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۸۱ میں نقل ہوا ہے۔

۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۸۱۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۸۱۔

— ۹ —

حَدَّثَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ[1] أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ العَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ[2] نِعَالِهِمْ، أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ، فَيَقُولاَنِ [لَهُ[3]]: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ -لِمُحَمَّدٍ-، فَأَمَّا المُؤْمِنُ، فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، فَيُقَالُ لَهُ: انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الجَنَّةِ، فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا» - قَالَ قَتَادَةُ: وَذُكِرَ لَنَا: أَنَّهُ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى حَدِيثِ أَنَسٍ - قَالَ: «وَأَمَّا المُنَافِقُ وَالكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ، فَيُقَالُ [لَه[4]] لاَ دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً [بَيْنَ أُذُنَيْهِ[5]]، فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ».

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب اُس کی قبر میں اتارا جاتا ہے اور اُس کے ساتھی اُس سے رخصت ہوتے ہیں[1] اور وہ اُن کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے[2] تو دو فرشتے اُس کے پاس آتے، آکر اُس کو بٹھاتے اور اُس سے کہتے ہیں کہ تم اِس شخص ـــــ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ـــــ کے بارے میں کیا راے رکھتے تھے؟[3] بندۂ مومن جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ ایک نظر ذرا دوزخ میں اپنے ٹھکانے کی طرف ڈالو، اللہ نے اِس کے بجاے تمھیں جنت کا ٹھکانا عطا کیا ہے، چنانچہ وہ دونوں کو اکٹھے دیکھ لیتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ

ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اِس کے بعد اُس شخص کی قبر اُس کے لیے کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر روایت کو وہیں سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مرنے والا منافق یا منکر ہو تو اُس سے بھی یہی پوچھا جاتا ہے کہ اِس شخص[4] کے بارے میں تم کیا راے رکھتے تھے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا رہا جو لوگ کہتے تھے[5]۔ اِس پر اُس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے نہ سمجھنے کی کوشش کی اور نہ پیروی کے لیے تیار ہوئے[6]۔ پھر اُس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑوں سے اِس طرح ضرب لگائی جاتی ہے کہ جن و انس کے سوا اُس کی چیخیں قریب کی ہر مخلوق سنتی ہے۔

۱۔ یعنی اُس کو دفن کر دینے کے بعد رخصت ہوتے ہیں۔

۲۔ یعنی برزخ میں اپنی قبر کے اندر، جہاں جسم سے الگ ہو جانے کے بعد اُس کے باطنی حواس وہ چیزیں بھی دیکھتے اور سنتے ہیں، جو ہمارے اِن ظاہری حواس کی گرفت میں نہیں آسکتیں۔

۳۔ اِس سے واضح ہے کہ یہ اُنھی لوگوں کا معاملہ ہے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اللہ کی حجت پوری کی تھی اور وہ آپ کو پہچانتے تھے۔

۴۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

۵۔ لوگوں سے مراد یہاں زمانۂ رسالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین ہیں، جن کے اقوال قرآن مجید میں جگہ جگہ نقل ہوئے ہیں کہ کبھی آپ کو شاعر، کبھی ساحر اور کبھی مجنوں قرار دے کر آپ کی تکذیب کرتے تھے۔

۶۔ یعنی نہ اُس دعوت کو سمجھنے کی کوشش کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تمھارے سامنے پیش کی گئی اور نہ سچے اہل ایمان کے طریقے پر آپ کی پیروی کے لیے تیار ہوئے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۱۳۷۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات جن مراجع میں دیکھ لیے جاسکتے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۲۲۷۱، ۱۳۴۴۶، ۱۳۴۴۷۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۱۱۸۰۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۳۸۔ صحیح مسلم، رقم ۲۸۷۰۔ سنن ابی داؤد، رقم ۳۲۳۱، ۴۷۵۱، ۴۷۵۲۔ مسند بزار، رقم

۲۰۴۶، ۲۰۴۷۔السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱۔السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۱۸۷، ۲۱۸۸، ۲۱۸۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۲۰۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷۔السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۲۱۷۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کا ایک شاہد جابر بن عبد اللہ سے روایت ہوا ہے جس کے طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف عبد الرزاق، رقم ۶۷۴۴۔ السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم ۸۶۶۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۲۳۱۶۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۲۱۵۔

۲۔ بعض طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۳۴۴۶ میں یہاں ’قَرْعَ‘ کے بجاے ’خَفْقَ‘ کا لفظ نقل ہوا ہے۔ معنی کے اعتبار سے دونوں مترادف ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری، رقم ۱۳۳۸۔

۴۔ مسند احمد، رقم ۱۲۲۷۱۔

۵۔ مسند احمد، رقم ۱۲۲۷۱۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

—— ۱۰ ——

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:[۱] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا قُبِرَ أَحَدُكُمْ أَوِ الْإِنْسَانُ، أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ: النَّكِيرُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ؟ فَهُوَ قَائِلٌ مَا كَانَ يَقُولُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا قَالَ: هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: إِنْ كُنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّكَ لَتَقُولُ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ذِرَاعًا، وَيُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ، [فَيَقُولُ: دَعُونِي أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي أُخْبِرْهُمْ. فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ،[۲]] فَيَنَامُ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ، وَإِنْ

كَانَ مُنَافِقًا قَالَ: لَا أَدْرِي كُنْتُ أَسْمَعُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا، فَكُنْتُ أَقُولُهُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: إِنْ كُنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ: الْتَئِمِي عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهَا أَضْلَاعُهُ، فَلَا يَزَالُ مُعَذَّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ».

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی انسان کو، یافرمایاکہ تم میں سے کسی شخص کو دفنادیا جاتا ہے تو اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، نیلے سیاہ رنگ کے، جن میں سے ایک کو 'منکر' اور دوسرے کو 'نکیر' کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں اُس سے پوچھتے ہیں: تم اِس شخص، یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا راے رکھتے تھے؟ وہ اُن کے جواب میں وہی بات کہتا ہے جو دنیا میں کہتا رہا تھا۔ چنانچہ بندۂ مومن ہو تو کہتا ہے: وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اِس پر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔ پھر اُس کی قبر چاروں طرف ستر گز وسیع کر دی جاتی اور اُس میں اُس کے لیے روشنی بھی ہو جاتی ہے۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اب سو جاؤ۔ یہ سن کر وہ کہتا ہے کہ مجھے جانے دو، میں اپنے گھر والوں کو بھی ذرا یہ خبر سنا آؤں۔ لیکن اُس کو پھر وہی بات کہی جاتی ہے کہ اب سو جاؤ۔ چنانچہ وہ اُس دلہن کی طرح سو جاتا ہے جس کو اُس کے محبوب ترین لوگ ہی آکر جگاتے ہیں[1]۔ یہاں تک کہ اُس کی اِس خواب گاہ سے اللہ ہی قیامت کے دن اُس کو اٹھائے گا۔ اِسی طرح وہ اگر منافق ہو تو اُن کے جواب میں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا، میں تو لوگوں کو جو کچھ کہتے ہوئے سنتا تھا، وہی کہہ دیا کرتا تھا[2]۔ اِس پر فرشتے کہتے ہیں: ہمیں معلوم تھا کہ تم یہی جواب دو گے۔ پھر زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ اُس کو دبوچ لے۔ سو وہ اِس طرح اُس کو دبوچ لیتی ہے کہ اُس کی پسلیاں تک ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں[3]۔ وہ برابر اِسی طرح عذاب میں رہتا ہے، یہاں تک کہ

قیامت کے دن اللہ اُس کی اِسی جگہ سے اُس کو اٹھا کھڑا کرے گا۔

۱۔ یہ اطمینان و سکون اور بے فکری کی نیند کے لیے نہایت خوب صورت تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُسی طرح سو جاتا ہے، جس طرح پہلی رات کی دلھن اپنے دلہا سے ملاقات کے بعد آرام کی نیند سو جاتی ہے اور صبح وہی لوگ آکر اُس کو اٹھاتے ہیں جو اُس کے لیے سراپا محبت و التفات ہوتے ہیں، اور جن کا آنا اُس پر کبھی گراں نہیں ہوتا۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اگر اِن کو پیغمبر کہتے تھے تو اپنے مفادات کے پیش نظر میں بھی کہہ دیتا تھا۔ علم و عقل کی بنیاد پر اور دل و دماغ کے اخلاص کے ساتھ میں نے یہ بات نہ کبھی سمجھی، نہ مانی اور نہ زبان سے کبھی اِس کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ اِس وقت بھی یہی کہہ سکتا ہوں، اِس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

۳۔ یہ اُسی طرح کے احساس کا بیان ہے، جس سے بعض اوقات ہم خواب میں بھی دوچار ہو جاتے ہیں۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب کچھ اُسی جسم کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے، جس کو زمین میں دفن کیا جاتا یا راکھ بنا کر دریاؤں میں بہا دیا جاتا ہے۔

روایت میں یہ اُنھی منافقوں کے انجام کا ذکر ہوا ہے جو اللہ کے آخری پیغمبر کی طرف سے اتمام حجت کے باوجود سچے ایمان کی توفیق سے محروم رہے اور اِسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۱۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اِس کے باقی طرق اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: سنن ترمذی، رقم ۱۰۷۱۔ السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم ۸۶۴۔ الشریعۃ، آجری، رقم ۸۵۸۔

۲۔ السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم ۸۶۴۔

۱۱

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَيْضًا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي قَوْلِهِ جَلَّ وَعَلَا: ﴿فَإِنَّ لَهُ

مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾ [طٰهٰ:١٢٤] قَالَ: «عَذَابُ الْقَبْرِ»[١].

یہی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیت ۱۲۴ ﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا﴾، ''اور جو میری یاد دہانی سے منہ موڑے گا تو اُس کے لیے تنگی کی زندگی ہے'' کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِس سے عذاب قبر مراد ہے[١]۔

۱۔ یہ نتیجے کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے منکرین دنیا کی تنگی اور قلق و اضطراب میں زندگی بسر کرنے کے بعد جب موت سے ہم کنار ہوں گے تو وہاں بھی اِس سے نجات نہیں پا سکیں گے، بلکہ یہی چیز قبر کا عذاب بن کر اُن پر مسلط ہو جائے گی۔ یہ تنگی اور قلق و اضطراب کیا ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''...جب بچہ بھوک سے روتا ہے تو اس کے منہ میں چُسنی یا نپل دے کر کچھ دیر کے لیے بہلایا جا سکتا ہے، لیکن وہ آسودہ اُسی وقت ہوتا ہے جب ماں اُس کو چھاتی سے لگاتی اور اُس کو دودھ پلاتی ہے۔ اِس کے بغیر اُس کی بے چینی نہیں جاتی۔ یہی حال انسان کا ہے، وہ اپنے لیے جو اسباب و سامان بھی مہیا کر لے، لیکن اگر وہ خدا کے ایمان سے محروم ہے تو وہ غیر مطمئن، ڈانوا ڈول، اندیشہ ناک، مضطرب اور اندرونی خلفشار میں مبتلا رہے گا، اگرچہ وہ اپنی نمایشوں سے اِس پر کتنا ہی پردہ ڈالنے کی کوشش کرے۔ نفس مطمئنہ کی بادشاہی صرف سچے اور پکے ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ 'اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'!'' (تدبر قرآن ۵/۱۰۳)

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۱۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کا ایک ہی متابع ہے جو اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۵۷ میں نقل ہوا ہے۔ قرآن کی جو آیت اِس میں نقل ہوئی ہے، اُس کا ترجمہ یہ ہے: ''اور جو میری یاد دہانی سے منہ موڑے گا تو اُس کے لیے تنگی کی زندگی ہے''۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی بات ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی ہے، جس کے مراجع یہ ہیں: مستدرک حاکم، رقم ۳۴۳۹۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۵۹۔

ـــ ۱۲ ـــ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَيْضًا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:[1] «[وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ،[2]] إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا، كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ، وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَمِينِهِ، وَكَانَتِ الزَّكَاةُ عَنْ شِمَالِهِ، وَكَانَ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، فَيُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ، فَتَقُولُ الصَّلَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتَى عَنْ يَمِينِهِ، فَيَقُولُ الصِّيَامُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتَى عَنْ يَسَارِهِ، فَتَقُولُ الزَّكَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، ثُمَّ يُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، فَتَقُولُ فَعَلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، فَيُقَالُ لَهُ: اجْلِسْ فَيَجْلِسُ، وَقَدْ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ وَقَدْ أُدْنِيَتْ لِلْغُرُوبِ، [فَيُقَالُ لَهُ: أَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ[3]] فَيُقَالُ لَهُ: أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ مَا تَقُولُ فِيهِ، وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهِ عَلَيْهِ؟ فَيَقُولُ: دَعُونِي حَتَّى أُصَلِّيَ، فَيَقُولُونَ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ، أَخْبِرْنِي عَمَّا نَسْأَلُكُ عَنْهُ، أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ، يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ، مَا تَقُولُ فِيهِ؟ وَمَاذَا تَشْهَدُ [بِهِ[4]] عَلَيْهِ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ، وَأَنَّهُ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ[5] [فَصَدَّقْنَا وَاتَّبَعْنَا[6]]، فَيُقَالُ لَهُ: [صَدَقْتَ[7]] عَلَى ذٰلِكَ حَيِيتَ وَعَلَى ذٰلِكَ مِتَّ، وَعَلَى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

لَكَ فِيهَا، فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَسُرُورًا، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا لَوْ عَصَيْتَهُ، فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَسُرُورًا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا[8]، وَيُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، وَيُعَادُ الْجَسَدُ لِمَا بَدَأَ مِنْهُ [مِنَ التُّرَابِ[9]]، فَتُجْعَلُ نَسَمَتُهُ فِي النَّسَمِ الطَّيِّبِ وَهِيَ طَيْرٌ [خُضْرٌ[10]] يَعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ، قَالَ: فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ [إبراهيم١٤: ٢٧]، قَالَ: «وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أُتِيَ [فِي قَبْرِهِ[11]] مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ، لَمْ يُوجَدْ شَيْءٌ، ثُمَّ أُتِيَ عَنْ يَمِينِهِ، فَلَا يُوجَدُ شَيْءٌ، ثُمَّ أُتِيَ عَنْ شِمَالِهِ، فَلَا يُوجَدُ شَيْءٌ، ثُمَّ أُتِيَ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، فَلَا يُوجَدُ شَيْءٌ، فَيُقَالُ لَهُ: اجْلِسْ، فَيَجْلِسُ خَائِفًا مَرْعُوبًا، فَيُقَالُ لَهُ: أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ مَاذَا تَقُولُ فِيهِ؟ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهِ عَلَيْهِ؟ فَيَقُولُ: أَيُّ رَجُلٍ؟ فَيُقَالُ: الَّذِي كَانَ فِيكُمْ، فَلَا يَهْتَدِي لِاسْمِهِ حَتَّى يُقَالَ لَهُ: مُحَمَّدٌ، فَيَقُولُ: مَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ قَالُوا قَوْلًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالَ النَّاسُ، فَيُقَالُ لَهُ: [صَدَقْتَ،[12]] عَلَى ذٰلِكَ حَيِيتَ، وَعَلَى ذٰلِكَ مِتَّ، وَعَلَى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنَ النَّارِ، وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا، فَيَزْدَادُ حَسْرَةً وَثُبُورًا، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: ذٰلِكَ مَقْعَدُكَ مِنَ الْجَنَّةِ، وَمَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهِ لَوْ أَطَعْتَهُ فَيَزْدَادُ حَسْرَةً وَثُبُورًا، ثُمَّ يُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

أَضْلَاعُهُ، فَتِلْكَ الْمَعِيشَةُ الضَّنْكَةُ الَّتِي قَالَ اللّٰهُ: ﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طٰهٰ ۲۰: ۱۲۴]».

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس ہستی کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میت کو جب اُس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اُسے دفنا کر پلٹ رہے ہوتے ہیں تو وہ اُن کے جوتوں کی چاپ بھی سنتا ہے[1]۔ پھر مرنے والا مومن ہو تو اُس کی نماز اُس کے سرہانے آجاتی ہے، روزے اُس کے دائیں طرف ہوتے ہیں، زکوٰۃ اُس کے بائیں طرف ہوتی ہے اور لوگوں کے ساتھ احسان، بھلائی، صلۂ رحمی اور صدقہ جیسے نیکی کے دوسرے کام اُس کے پاؤں کے پاس آجاتے ہیں۔ پھر (فرشتوں کی طرف سے) اُس کے سر کی جانب سے آنے کی کوشش کی جاتی ہے تو نماز کہتی ہے: میری طرف سے داخل ہونے کا راستہ نہیں ہے۔ پھر اُس کے دائیں طرف سے آنے کی کوشش کی جاتی ہے تو روزہ کہتا ہے: میری طرف سے راستہ نہیں ہے۔ پھر اُس کے بائیں طرف سے آنے کی کوشش کی جاتی ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے: میری طرف سے داخل نہیں ہوا جاسکتا۔ پھر اُس کے پاؤں کی طرف سے آنے کی کوشش کی جاتی ہے تو لوگوں کے ساتھ احسان، بھلائی، صلۂ رحمی اور صدقہ جیسے نیکی کے دوسرے کام کہتے ہیں: ہماری طرف سے داخل ہونے کا راستہ نہیں ہے[2]۔ یہ دیکھ کر مردے سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ جاتا ہے۔ اُس وقت اُسے یوں دکھائی دیتا ہے، جیسے غروب آفتاب کا وقت قریب ہو۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اب ہم تم سے جو پوچھیں، ہمیں اُس کا جواب دینا۔ اُس سے کہا جاتا ہے: اِس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو، جو تمھارے درمیان (مبعوث) تھا، اور اِن کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو[3]؟ یہ سننے کے بعد وہ کہتا ہے کہ مجھے ذرا مہلت دیجیے کہ میں پہلے نماز پڑھ لوں۔ اِس پر فرشتے کہتے ہیں: یقیناً، نماز تو تم ابھی پڑھو گے[4]، پہلے ہم جو پوچھ رہے ہیں، اُس کا جواب دو: اِس شخص کے بارے میں، جو تمھارے درمیان (مبعوث) تھا، تم کیا راے رکھتے ہو؟ اور اِن کے بارے میں کیا

گواہی دیتے ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ یہ محمد ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے (ہمارے پاس) حق لے کر آئے تھے، جس پر ہم نے اِن کی تصدیق کی اور پیروی کی۔ اِس پر اُس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے بالکل سچ کہا ہے، اِسی پر تو نے زندگی گزاری ہے، اِسی پر تیری موت ہوئی ہے اور اللہ نے چاہا تو اِسی پر تجھے اُٹھایا جائے گا۔ پھر اُس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا اور اُس سے کہا جاتا ہے کہ جنت میں یہ تمھارا ٹھکانا اور وہ انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تیار کر رکھا ہے۔ یہ سن کر وہ رشک اور خوشی سے جھوم اُٹھتا ہے۔ پھر اُس کے لیے دوزخ کا ایک دروازہ کھول کر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم اللہ کے پیغمبر کی نافرمانی کرتے تو جہنم میں تمھارا یہ ٹھکانا ہوتا، جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تیار کر رکھا تھا۔ یہ سن کر ایک مرتبہ پھر وہ رشک اور خوشی سے جھوم اُٹھتا ہے۔ پھر اُس کی قبر کو اُس کے لیے ستر گز کشادہ کر دیا جاتا اور وہاں اُس کے لیے روشنی کر دی جاتی ہے۔ پھر اُس کے جسم کو مٹی کی اُسی حالت پر لوٹا دیا جاتا ہے جس سے اُس کا آغاز ہوا تھا[5]۔ اِس کے بعد اُس کی روح کو پاکیزہ جانوں میں رکھ دیا جاتا ہے، اور وہ جنت کے درختوں پر لٹکتے ہوئے ایک سبز پرندے کی صورت میں ہوتی ہیں[6]۔ آپ نے فرمایا: یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: '﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾'، ''ایمان والوں کو اللہ اِسی محکم بات سے[7] دنیا اور آخرت، (دونوں) کی زندگی میں ثبات عطا فرمائے گا'' (ابراہیم ۱۴: ۲۷) میں بیان ہوئی ہے۔ آپ نے یہ پوری آیت تلاوت فرمائی۔ فرمایا: اور مرنے والا اگر کافر ہو تو فرشتے جب اُس کی قبر میں سرہانے کی طرف سے آتے ہیں تو وہاں کوئی چیز نہیں ہوتی، پھر اُس کے دائیں طرف سے آتے ہیں تو وہاں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، پھر اُس کے بائیں طرف سے آتے ہیں تو وہاں بھی کوئی روک نہیں ہوتی، پھر اُس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو وہاں بھی کوئی مانع نہیں ہوتا۔ اِس کے بعد اُس سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ تو وہ خوف زدہ اور مرعوب ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اُس سے کہا جاتا ہے: اِس شخص کے بارے میں، جو تمھارے درمیان (مبعوث) تھا، تم کیا کہتے ہو؟ اور اِن کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اِس پر وہ کہتا ہے: کون شخص؟ اُس سے کہا جاتا ہے کہ جو تمھارے درمیان (مبعوث) تھا۔ اُس کو اُن کا، یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام تک نہیں سوجھتا، یہاں تک کہ اُس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تم سے محمد کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ اِس پر وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، (اُن کے بارے میں) لوگوں کو کوئی بات کرتے ہوئے میں نے سنا تھا، چنانچہ میں نے بھی اُنھی کی طرح کہہ دیا تھا۔ اُس سے کہا جاتا ہے کہ تونے بالکل سچ کہا ہے، اِسی پر تونے زندگی گزاری ہے، اِسی پر تو مرا ہے اور اللہ نے چاہا تو اِسی پر تجھے اُٹھایا جائے گا۔ پھر اُس کے لیے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اُس سے کہا جاتا ہے کہ جہنم میں یہ تمھارا ٹھکانا ہے اور وہ سزا بھی جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تیار کر رکھی ہے۔ یہ سن کر وہ حسرت اور ہلاکت کے احساس میں ڈوب جاتا ہے۔ پھر اُس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول کر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم اللہ کے پیغمبر کی اطاعت کرتے تو جنت میں تمھارا یہ ٹھکانا ہوتا، جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تیار کر رکھا تھا۔ یہ سن کر ایک مرتبہ پھر وہ حسرت اور احساس محرومی میں ڈوب جاتا ہے۔ پھر اُس کی قبر کو اُس پر اِس طرح تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اُس کی پسلیاں تک ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں[8]۔ یہی تنگی کی زندگی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ '﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾'، ''اور جو میری یاد دہانی سے منہ موڑے گا تو اُس کے لیے تنگی کی زندگی ہے[9] اور قیامت کے دن ہم اُس کو اندھا اٹھائیں گے'' (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۴)۔

۱۔ یعنی وہاں سنتا ہے، جہاں فرشتے اُس کی اصل شخصیت کو لے جا کر رکھتے ہیں۔ اِسے مستبعد نہیں سمجھنا چاہیے۔ اِس زمانے میں ہم چاہیں تو زہرہ و مریخ پر چلنے والے کسی انسان کی آواز جدید آلات کی مدد سے اپنے گھروں میں بیٹھ کر سن سکتے ہیں۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی نیکیاں اِس طرح اُس کا احاطہ کر لیتی ہیں کہ خدا کے فرشتے بھی اُس کے ساتھ سختی کا کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ یہ برزخ کی ہر تکلیف سے محفوظ رہنے کی تعبیر ہے، اِس کے ہرگز یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتے اِس طرح کے نیکوکاروں کے ساتھ بھی سختی کا کوئی معاملہ کرنے کے لیے آئیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۔اِس سے واضح ہے کہ یہاں بھی اُنھی لوگوں کا انجام بیان ہو رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے حین حیات ایمان لائے۔

۴۔یعنی جب برزخ کی نیند سے سو کر اٹھو گے اور اپنے رب کی نعمتیں پا کر اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ گے۔

۵۔یعنی اُس جسم کو قانون قدرت کے مطابق مٹی ہونے دیا جاتا ہے جو اُسے دنیا کی زندگی میں دیا گیا اور مرنے کے بعد اُسی طرح باقی تھا۔

۶۔یہ اُن کے روحانی وجود کی تصویر ہے، اِس سے کوئی نیا قالب دینا مراد نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمانۂ برزخ میں پاکیزہ روحیں جہاں رکھی جاتی ہیں، اُس کو بھی وہیں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ درختوں پر چہکتے ہوئے پرندوں کی طرح خوش و خرم وہاں رہتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر غالباً اِسی طرح کی کوئی تعبیر تھی، جسے راویوں نے اِس طریقے سے بیان کر دیا ہے کہ نئے قالب کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

۷۔یعنی کلمۂ توحید سے، جس کی دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخاطبین کو دی اور وہ آگے بڑھ کر اُس کو ماننے والے بن گئے۔ اوپر 'حق لے کر آئے تھے' کے الفاظ میں اِسی کا ذکر ہوا ہے۔

۸۔اِس کی حقیقت خواب کے احوال سے سمجھنی چاہیے، جس میں آدمی اِسی طرح محسوس کرتا ہے، دراں حالیکہ جو کچھ ہوتا ہے، اُس کے جسم کے ساتھ نہیں، بلکہ اُس کی اصل شخصیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ روایتوں میں جو تعبیریں اِس مدعا کے لیے اختیار کی گئی ہیں، وہ مردے کے احساس اور ہمارے فہم کے لحاظ سے ہیں، اِس لیے کہ ہم اِنھی کو سمجھ سکتے ہیں۔

۹۔یعنی دنیا میں بھی اور اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر برزخ میں بھی۔ اِس کی وضاحت ہم پیچھے استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے حوالے سے کر چکے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔اِس روایت کا متن اصلاً صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۱۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اِس کے متابعات جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: الزہد، ہناد، رقم ۳۳۸۔ تفسیر طبری، رقم ۲۰۷۶۹۔ تہذیب الآثار، طبری، رقم ۷۲۷۔ شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۲۹۰۹، ۲۹۱۰۔ المعجم الاوسط،

طبرانی، رقم ۲۶۳۰، ۹۴۳۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۴۰۳، ۱۴۰۴۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۶۷، ۱۳۹۔

۲۔ الزہد، ہناد، رقم ۳۳۸۔

۳۔ الزہد، ہناد، رقم ۳۳۸۔

۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۱۴۰۳۔

۵۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۶۳۰ میں یہاں یہ الفاظ روایت ہوئے ہیں: 'جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا'، ''یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے نہایت واضح نشانیاں لے کر ہمارے پاس آئے''۔

۶۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۶۳۰۔

۷۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۶۳۰۔

۸۔ الزہد، ہناد، رقم ۳۳۸ میں یہاں 'وَيَفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ'، ''اور اُس کی قبر کو تا حد نگاہ وسیع کر دیا جاتا ہے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۹۔ الزہد، ہناد، رقم ۳۳۸۔

۱۰۔ الزہد، ہناد، رقم ۳۳۸۔

۱۱۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۶۳۰۔

۱۲۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۶۳۰۔

[باقی]

محمد تہامی بشر علوی

پردے سے متعلق دینی ہدایات

["نقطۂ نظر" کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پردے کا لفظ قرآن مجید کے احکام کو پوری طرح بیان نہیں کرتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں مرد وعورت، دونوں کو گھر ہو یا کوئی دوسری جگہ، جب یہ ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو کچھ آداب واحکام کا پابند کیا ہے۔

دو حکموں میں مرد وعورت مشترک ہیں اور دو حکم عورت کے لیے اضافی ہیں:

۱۔ دونوں اپنی نظریں بچا کر رکھیں۔

۲۔ دونوں شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

۳۔ عورتیں اپنی زیب وزینت اپنے قریبی اعزہ اور متعلقین کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔

۴۔ عورتیں اپنے سینے کو ڈھانپ کر رکھیں۔

نظریں بچانے سے مراد یہ ہے کہ مرد وعورت ایک دوسرے کے حسن وجمال سے آنکھیں سینکنے، خط وخال کا جائزہ لینے اور ایک دوسرے کو گھورنے سے پرہیز کریں۔

شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ مرد وعورت ایک جگہ موجود ہوں تو چھپانے کی جگہوں کو اور بھی زیادہ اہتمام سے چھپائیں۔ اس میں، ظاہر ہے کہ بڑا دخل اس بات کا ہے کہ لباس باقرینہ ہو۔ عورتیں اور مرد،

دونوں ایسالباس پہنیں جو زینت کے ساتھ ساتھ صنفی اعضا کو بھی پوری طرح چھپانے والا ہو۔ پھر اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی شخص برہنہ نہ ہونے پائے۔

لباس کے حوالے سے عورتوں کو مزید ہدایت سینے سے متعلق ہے کہ وہ اسے اپنے دوپٹوں سے ڈھانپ کر رکھیں۔

قرآن مجید نے مسلمان مرد و عورت کو باہمی اختلاط کے مواقع پر ان آداب کو ملحوظ رکھنے کا پابند کیا ہے۔ ان ہدایات سے زیادہ کسی اور پردے کا مطالبہ کم از کم خدا کے دین کی رو سے نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ پردے کا حکم شاید مردوں کو بد نظری سے بچانے کے لیے دیا گیا ہے، اس لیے وہ اس بحث کو اسی تناظر میں سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہتے پائے جاتے ہیں کہ عورت کا چہرہ پرکشش ہوتا ہے، اس لیے مردوں کو بد نظری سے بچانے کے لیے اسے بھی چھپایا جانا چاہیے۔ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بیان بہرحال یہ نہیں ہے کہ عورتوں کو پردے کا حکم، مردوں کو بد نظری سے بچانے کی خاطر دیا گیا ہے۔ نظروں کی حفاظت کا حکم مرد و عورت، دونوں کو الگ سے دیا گیا ہے۔ اس کا تعلق چہرے کے پردے سے نہیں ہے۔ پردے کے احکام دیتے وقت جو چیز پیش نظر تھی، وہ قرآن مجید کے خود اپنے بیان کی رو سے یہ تھی کہ عہد رسالت میں منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بطور خاص نشانہ بنا کر کردار کشی کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ منافقین کی ان سازشوں سے ہوشیار و محفوظ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے لیے بعض اضافی حفاظتی ہدایات بھی جاری کی ہیں۔ منافقین کی ایذا رسانی کی زد عام مسلمان عورتوں پر بھی آ پڑی تھی۔ اس پس منظر میں دی گئی ہدایات کا تعلق عام حالات سے نہیں ہے اور نہ ہی عام حالات میں مسلمان عورتوں سے اس قسم کی پابندیوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان آیات سے عمومی ہدایات اخذ کر کے تمام مسلمان عورتوں سے متعلق کیا گیا ہے، مگر خود قرآن مجید ان ہدایات کا پس منظر اور مقصد واضح کر کے مدعا کو پوری طرح صاف کر دیتا ہے۔

سورۂ احزاب میں ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. (۳۳: ۳۲)	”نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم خدا سے ڈرو تو (ان لوگوں کے ساتھ) نرمی کا لہجہ اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے، وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور معروف

کے مطابق بات کرو۔''

اس آیت کے مفہوم کو مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں یوں بیان کیا ہے:

''... 'فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ' کے معنی ہوں گے۔ 'بات کہنے میں نرمی و تواضع نہ اختیار کرو'۔ عام حالات میں تو پسندیدہ طریقۂ کلام یہی ہے کہ آدمی تواضع کا انداز اختیار کرے، لیکن بعض اوقات حالات و مصالح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس سے مختلف روش اختیار کی جائے۔ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس دور میں منافقین و منافقات رات دن اس تگ و دو میں تھے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے کوئی ایسی بات نکالیں جس کو ایک فتنہ بنا سکیں۔ ان لوگوں کی باتیں ہمدردانہ رنگ میں ہوتی تھیں اس وجہ سے امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی ان کا جواب اپنی شرافت نفس کے سبب سے نرم انداز ہی میں دیتی تھیں جس سے یہ مفسدین دلیر ہوتے جا رہے تھے اور ان کو یہ توقع ہو چلی تھی کہ وہ بہت جلد اپنی سازش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان خاص حالات کی بنا پر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو اپنا رویہ بدل دینے کی ہدایت ہوئی۔ فرمایا کہ اے نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ نبی کے ساتھ نسبت کے باعث تمھاری نیکی اور بدی دونوں کی ایک خاص اہمیت ہے۔ تمھاری نیکی دوسروں کے لیے مثال اور نمونہ بنے گی اور تم سے کوئی غلطی صادر ہو گی تو اس کو بھی اصحاب الاغراض حجت بنائیں گے اس وجہ سے تمھارے لیے احتیاط کی روش اولیٰ ہے۔ اگر منافقین تمھارے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے کی کوشش کریں تو بربنائے مروت و شرافت ان کی بات کا جواب نرمی و تواضع سے نہ دو کہ جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بغض و حسد ہے وہ کوئی غلط توقع کر بیٹھے، بلکہ صاف انداز میں اس سے اس طرح بات کہو کہ اگر وہ اپنے دل میں کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اس کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ یہاں اس کی دال گلنے والی نہیں ہے۔'' (۶/۲۲۰)

منافقین کی انھی شرانگیزیوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن مجید، ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی ہدایت یوں دیتا ہے:

وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِیَّةِ الۡاُوۡلٰی وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوةَ وَاَطِعۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا.

''اور اپنے گھروں میں ٹک کے رہو، اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔ اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے، اے اہل بیت نبی کہ تم سے آلودگی کو دور کرے

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

اور تمھیں اچھی طرح پاک کرے۔‘‘ (الاحزاب ۳۳: ۳۳)

اس آیت کے مفہوم کو جاوید احمد غامدی نے اپنی تفسیر ’’البیان‘‘ میں یوں بیان کیا ہے:

’’یہ ہدایت بھی اُسی منصب اور اُس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہے جو ازواج مطہرات کو حاصل تھا کہ اُنھیں زمانۂ جاہلیت میں بڑے لوگوں کی بیگمات کے طریقے پر اپنی زیب وزینت کی نمایش کرتے ہوئے باہر نہیں نکلنا چاہیے، بلکہ جو حالات اُنھیں درپیش ہیں، اُن میں باہر نکلنے ہی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اِس لیے کہ منافقین شب و روز اِسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ اُن سے متعلق کوئی اسکینڈل پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ عام عورتوں کے ساتھ اِس ہدایت کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنے حالات اور اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے اُس زمانے میں بھی، جہاں چاہیں، جا سکتی تھیں اور اب بھی جا سکتی ہیں۔ اجنبیوں کے سامنے زیب و زینت کی نمایش، البتہ اُن کے لیے بھی ممنوع ہے، اِس لیے کہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی ہدایت اُنھیں الگ فرمادی ہے۔ یہاں اتنی بات مزید واضح ہوئی کہ اجنبی مردوں کے سامنے زیب وزینت کی نمایش جاہلیت کا طریقہ ہے، اِس کا اسلامی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یعنی گھروں میں رہ کر اِنھی کاموں میں سرگرم رہو تاکہ اپنی وہ ذمہ داری کماحقہٗ پوری کر سکو جو رسول کی بیویوں کی حیثیت سے تم پر عائد ہوتی ہے۔ آگے وضاحت فرمادی ہے کہ یہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ہے جس کے لیے علما اُٹھیں یا پیغمبر کے گھرانے کے لوگ، اُنھیں سب سے بڑھ کر اِنھی چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مطلب یہ ہے کہ تمھارے باطن کی پاکیزگی میں شبہ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ تمھارے منصب کے لحاظ سے تمھیں لوگوں کی نگاہ میں بھی ہر طرح کی اخلاقی نجاست سے بالکل پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو نہایت شفقت و محبت کے ساتھ خطاب کر کے یہ اب اُن ہدایات کا مقصد بتایا ہے جو اُنھیں یہاں دی جارہی ہیں اور اُن کے لیے ’اہل بیت‘ کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا ہے کہ اِس کا شرف اصلاً اُنھی کو حاصل ہے۔ دوسروں کی شمولیت اِس میں ہو سکتی ہے تو اصلاً نہیں، بلکہ تبعاً و ضمناً ہو سکتی ہے۔‘‘

(۱۳۱/۴-۱۳۲)

اسی سورہ میں اسی پس منظر و مقصد کے پیش نظر آگے چل کر کہا گیا:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا. يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ

’’اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو (اِسی طرح اُن پر تہمتیں لگا کر)، بغیر اِس کے کہ اُنھوں نے کچھ کیا ہو، اذیت دے رہے ہیں،

وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. (۳۳: ۵۸-۵۹)

(اُنھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ) اُنھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے۔(اِن کی شرارتوں سے اپنی حفاظت کے لیے)، اے نبی، تم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور سب مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ (اندیشے کی جگھوں پر جائیں تو) اپنی چادروں میں سے کوئی بڑی چادر اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔اِس سے امکان ہے کہ الگ پہچانی جائیں گی تو ستائی نہ جائیں گی۔اِس کے باوجود (کوئی خطا ہوئی تو) اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔‘‘

اصل میں ’يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔اِن میں تبعیض ہمارے نزدیک ’جلبابًا من جلابیبھن‘ کے مفہوم پر دلالت کے لیے ہے، یعنی اپنے گھروں میں موجود چادروں میں سے کوئی بڑی چادر جو بالعموم اوڑھنی کے اوپر لی جاتی تھی۔

اِن الفاظ سے بھی واضح ہے اور حکم کا سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے کہ یہ عورتوں کے لیے پردے کا کوئی حکم نہیں تھا، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ مسلمان عورتوں کے لیے اُن کی الگ شناخت قائم کر دینے کی ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں اور تہمت تراشنے والوں کے شر سے اُن کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔ اِس سے مقصود یہ تھا کہ وہ اندیشے کی جگھوں پر جائیں تو دوسری عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور اُن کے بہانے سے اُن پر تہمت لگانے کے مواقع پیدا کر کے کوئی اُنھیں اذیت نہ دے۔روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں جب رات کی تاریکی میں یا صبح منہ اندھیرے رفع حاجت کے لیے نکلتی تھیں تو منافقین کے اشرار اُن کے درپے آزار ہوتے اور اِس پر گرفت کی جاتی تو فوراً کہہ دیتے تھے کہ ہم نے تو فلاں اور فلاں کی لونڈی سمجھ کر اُن سے فلاں بات معلوم کرنا چاہی تھی۔

سورۂ احزاب (۳۳) کی اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات سامنے رکھ کر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پوری بات بہ آسانی سمجھ لی جاسکتی ہے۔چنانچہ آیت نمبر ۵۷ اور ۵۸ کے الفاظ یوں ہیں:

www.javedahmedghamidi.com www.al-mawrid.org

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا. وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا.

’’اللہ اور اُس کے رسول کو جو لوگ اذیت پہنچا رہے ہیں، اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت، دونوں میں لعنت کر دی ہے اور اُن کے لیے اُس نے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو (اِسی طرح اُن پر تہمتیں لگا کر)، بغیر اِس کے کہ اُنھوں نے کچھ کیا ہو، اذیت دے رہے ہیں، (اُنھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ) اُنھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے۔‘‘

اِس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے ہی نہیں، دوسرے مسلمان مرد اور عورتیں بھی اُس زمانے میں منافقین کی شرارتوں کا ہدف بنے ہوئے تھے اور اُن کی اخلاقی ساکھ کو مجروح کرنے کے لیے وہ اُنھیں بھی کسی نہ کسی طریقے سے متہم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ آگے جو حکم دیا گیا ہے، اُس میں عام مسلمان عورتوں کو اِسی بنا پر شامل کر دیا ہے۔ تاہم اُس طرح کے خطرات اُن کے لیے نہیں تھے، جن کا پیچھے ازواج مطہرات سے متعلق ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ وہاں شامل نہیں کیا گیا۔

اب آیت نمبر ۶۰ اور ۶۱ کے الفاظ پر غور کیجیے:

لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا. (الاحزاب ۳۳: ۶۰)

’’یہ منافقین اگر (اِس کے بعد بھی) اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور وہ بھی جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں لوگوں کو بھڑکانے کے لیے جھوٹ اڑانے والے ہیں تو ہم اُن پر تمھیں اکسا دیں گے، پھر وہ تمھارے ساتھ اِس شہر میں کم ہی رہنے پائیں گے۔‘‘

یعنی حسد، کینہ اور بغض و عناد کی بیماری ہے۔ یہ بھی منافقین ہی کے ایک گروہ کی طرف اشارہ ہے جو صرف منافق ہی نہیں تھا، اِس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے دل میں سخت عناد بھی رکھتا تھا اور مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر اُن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اصل میں لفظ 'اِرْجَاف' استعمال ہوا ہے، یعنی لوگوں کے اندر اضطراب اور بے چینی پھیلانے کے ارادے سے فتنہ انگیز خبروں کا پروپیگنڈا کرنا۔ اِس گروہ کا کردار پیچھے کئی مقامات پر زیر بحث آچکا ہے۔ سیدہ زینب کے نکاح کے معاملے میں بھی یہی سب سے بڑھ کر فتنہ انگیزی کر رہا تھا۔

یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ اِن کے معاملے میں اب تک عفو و درگذر ہی کی ہدایت کی گئی تھی۔

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا. (الاحزاب ۳۳: ۶۱)

''ان پر پھٹکار ہو گی، جہاں ملیں گے پکڑے جائیں گے اور بے دریغ قتل کیے جائیں گے۔''

یعنی، اول تو ان کو تمھارے دامن امن میں پھر ٹکنا ہی بہت کم نصیب ہو گا اور اگر کچھ ہو گا بھی تو خدا کی لعنت اور پھٹکار کے ساتھ ہو گا۔ 'اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا' اسی ملعونیت کی تصویر ہے۔ چنانچہ بعد کے ادوار میں ان منافقین کو اسی حشر سے سابقہ پیش آیا۔ ان میں سے جنھوں نے اپنی روش کی اصلاح نہیں کی، ان کا انجام وہی ہوا جو قریش اور یہود کے اشرار کا ہوا۔

اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اوپر کا حکم کس طرح کے اشرار سے مسلمانوں کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے خود اپنے ہی بیان و اسلوب سے واضح ہے کہ ان ہدایات کا تعلق کس سے اور کس وجہ سے ہے۔ مزید کسی شرح و وضاحت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

کائنات کا آغاز وارتقا: قرآنی بیانات اور سائنسی حقائق کے درمیان تطبیق کی راہ

(۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مقدمہ

قرآن سائنس کی کتاب نہیں، بلکہ کتاب ہدایت ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس میں آفاق وانفس کی بہت سی نشانیوں کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر متعدد آیات ایسی ہیں جو کائنات کی تخلیق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً وہ کہتا ہے: 'اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا'، ''کیا انھوں نے دیکھا نھیں کہ یہ آسمان وزمین بند تھے، پھر ہم نے انھیں کھول دیا'' (الانبیاء ۲۱: ۳۰)۔ 'وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ'، ''اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا (ایضاً)، 'وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ': (الذاریات ۵۱: ۴۷)، اور آسمان کو ہم نے دست قدرت (انرجی) سے بنایا اور ہم اس کو وسعت دیے جا رہے ہیں۔ کہو، کیا تم انکار کرتے ہو اس کا جس نے زمین کو دو دن (دو دور) میں پیدا کیا'' (حٰم السجدہ ۴۱: ۹)، ''اس نے زمین میں پہاڑ جمائے، اس میں برکت رکھی اور اس کے اندر اس کی خوراکیں سب ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر ٹھیک انداز سے رکھیں۔ یہ سب چار دن میں ہوا'' (حٰم السجدہ ۴۱: ۱۰)، ''پھر اس نے آسمان کی طرف رخ کیا، جب کہ وہ محض دھواں تھا'' (حٰم السجدہ ۴۱: ۱۱) اور بہت سی آیات۔

بائیبل میں کتاب پیدائش (Genesis) میں تخلیق کی یہ کہانی ایک تسلسل کے ساتھ بیان ہوئی ہے[1]، جب کہ قرآن پاک میں کسی ایک جگہ بیان نہیں ہوئی، بلکہ جا بہ جا مختلف بیانات بکھرے ہوئے ہیں جن کو جمع کر کے ایک اسٹوری بنتی ہے، جو بائیبل کی کہانی سے مختلف ہے اور بہت سی جگہوں پر سائنس کی کہانی سے بھی مختلف نظر آتی ہے۔ البتہ تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے ہمارے روایتی تصورات بہت حد تک بائیبل کی اسٹوری کی دَین ہیں۔ ان دونوں الگ الگ کہانیوں کی بنیاد پر کاسمالوجی کے تصورات اور بیانیے بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

ریسرچ کا سوال

مطلب یہ ہے کہ ایک بیانیہ وہ ہے جس کو مورخ یوال نوواحراری نے نیچرل سائنسز اور ارتقائی نظریات کی بنیاد پر ترتیب دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کا نیریٹو جو سائنسی اصولوں کے مطابق بھی ہو، کیا ہو سکتا ہے؟ اور کائنات کے آغاز وارتقا اور اس کے انجام کے بارے میں قرآنی بیانات اور سائنسی حقائق کے درمیان کوئی تطبیق کی راہ نکل سکتی ہے یا نہیں۔ یہی ہمارا ریسرچ کا سوال ہے کہ کائنات کا آغاز وارتقا: قرآن وسائنس کے بیانیوں میں کوئی تطبیق ممکن ہے یا نہیں؟

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ موضوع کیوں اختیار کیا؟

اس قسم کے مسائل پر سوچنا اس لیے ضروری ہے کہ آج فزکس اور میٹا فزکس کے درمیان کی boundaries گر رہی ہیں۔ پہلے مفروضہ یہ تھا کہ سائنس مابعد الطبیعات سے تعرض نہیں کرتی، مگر اب سب کچھ سائنس کی دسترس میں ہے اور اس کے سفر کو روکا بھی نہیں جا سکتا، لہٰذا اب اس بات میں کوئی وزن نہیں رہ گیا ہے کہ مابعد الطبیعات (مذاہب وغیرہ) سائنس کے ڈومین میں نہیں آتی، اتنا ہی نہیں، بلکہ سائنس آج حقیقت کی تخلیق کی دعوے دار ہے اور انسانی ارادہ کو کائنات پر مسلط کرتی نظر آرہی ہے۔ لہٰذا آج کے علم الکلام کو ان سوالوں کا جواب دینا ہو گا جو موجودہ کاسمولوجی تخلیق کائنات کے روایتی تصورات پر وارد کر سکتی ہے۔ اور اگر آپ کو سائنس پر تنقید کرنی ہے تو سائنس کی زمین پر کھڑے ہو کر کرنی ہو گی مذہب کی زمین پر نہیں۔ خود اہل مذہب بھی سائنس دانوں اور لامذہبوں سے یہی مطالبہ کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اگر اہل مذہب سائنس

۱۔ مورس بوکائیے، بائبل قرآن اور سائنس ۲۰۸، اردو ترجمہ: ثناء الحق صدیقی۔

کے ساتھ مکالمہ کرنا چاہیں تو وہ پہلے خود سائنس کی اچھی نالج حاصل کریں، ورنہ وہی نتیجہ ہو گا جو موجودہ زمانے میں اکثر مسلمان علما کے مسئلۂ ارتقا کو جانے بغیر اس پر کلام کرنے کا ہوا ہے کہ ان کی باتوں کو علمی دنیا میں کوئی سنجیدگی سے نہیں لے گا[2]۔

ہماری معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کے آغاز وارتقا کی ایک اسٹوری وہ ہے جو ارتقا کو ماننے والے سائنس دان بتاتے ہیں، جس کی کہانی ہم نے نیچرلسٹ مورخ حراری کی کتاب ''ہومو سیپین'' میں پڑھی۔ اور ایک اسٹوری وہ ہے جو مذہب اور بالخصوص قرآن بیان کرتا ہے۔بقول سرسید قرآن ورڈ آف گاڈ ہے اور کائنات ورک آف گاڈ، اس لیے دونوں میں اصولی طور پر تعارض وتضاد نہیں ہونا چاہیے، لیکن تعارض تو نظر آرہا ہے، تو ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کی تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو تضاد نظر آتا ہے، اس میں دو صورتیں ممکن ہیں: سائنس جو کہانی بتارہی ہے، وہ حتمی نہ ہو، بدل بھی سکتی ہو۔اور واقعہ میں ہے بھی ایسا ہی، کیونکہ سائنسی طریقۂ کار کے مطابق اس کی کوئی تحقیق حتمی نہیں ہوتی، بلکہ اس میں تحقیق کا سفر مسلسل جاری رہتا ہے۔دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ قرآن کا متن خود کوئی حتمی بیانیہ نہیں دیتا، بلکہ اس کے الفاظ میں وسعت، لچک اور گنجایش پائی جاتی ہو، مگر اس کی رائج انسانی تشریحات نے بظاہر اس کا جو نیریٹو دیا ہے، وہ ہمیں سائنس کی کہانی کا مخالف نظر آتا ہے۔اب مسئلہ یہ ہے کہ شارحین کی تعبیرات اپنے زمانے کے ورلڈ ویو کے تابع ہوتی ہیں، ان میں زمانی و مکانی موثرات کا عمل دخل ہوتا ہے۔تو ان کی تفسیرات کو قرآن کے متن کا حتمی بیان کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ کل کے شارح اگر ارسطو کے ورلڈ ویو کی پیروی کر رہے تھے تو آج کے مفسر مسلمہ ورلڈ ویو کی پیروی کیوں نہیں کر سکتے؟ وغیرہ۔

بہر کیف ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ اس بارے میں وارد قرآنی بیانات کا بہ حیثیت ultimate revelation کے کیا ایسا مطالعہ ممکن ہے کہ کائنات کے آغاز وارتقا کے بارے میں قرآن وسائنس کے بیانیوں میں تطبیق دی جاسکے؟ یہ ریسرچ پیپر اسی سوال کو اکسپلور کرنے کی کوشش کرے گا۔ تخلیق کی اسٹوری کے دو حصے ہیں: ایک ہے کائنات کی تخلیق اور دوسری انسان کی تخلیق۔ ہمارا فوکس پہلا ہو گا، دوسرے سے بحث

2. Evolution and Islam—a brief review by Dr Shoaib Malik The World's 500 most influential Muslims 2020 The Royal Islamic Strategic Studies Centre 20 Saed Bino Road, Dabuq, PO Box950361 Amman 11195Jordan WWW.rissc.jo

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

ضمنی ہو گی اور گفتگو کو اصلاً کائنات کے آغاز وارتقا کے مسئلہ تک محدود رکھیں گے، آدم کی بحث ضمنی طور پر آئے گی۔ تاہم مسئلۂ ارتقا کا اس موضوع سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اس کا کسی نہ کسی طور پر تذکرہ بار بار آنا لازمی سا ہے۔ تخلیق و کریئیشن والوں نے جو سوال اٹھائے ہیں کہ بگ بینگ سے پہلے کیا تھا؟ بگ بینگ کو کس نے برپا کیا؟ وغیرہ کا تذکرہ کیا ہو گا۔

تحقیق کا طریقۂ کار

اس پیپر میں کائنات کے سلسلہ میں حراری اور دوسرے نیچر لسٹوں کے narrative کے بالمقابل قرآن کا نیریٹو کیا ہو سکتا ہے؟ اس سوال سے بحث کی جائے گی اور اس کی جستجو کی جائے گی کہ کیا دونوں میں کوئی تطابق ممکن ہے۔ اس مقالہ میں ہم ذیل کے چند مباحث کا ذکر کر کے اس مسئلہ پر کلام کرنے کی کوشش کریں گے:

۱۔ مسئلہ کا اجمالی جائزہ و تعارف اور لٹریچر رویو

۲۔ کائنات کا آغاز وارتقا اور تاریخ عظیم کا تعارف (لائف کا ارتقا، مرحلۂ آدم کیا ہو سکتا ہے)؟

☆ مسلمان اسکالر اور فلسفی سید حسین نصر، ہارون یحییٰ اور خود وہ مغربی اسکالر جو creationist ہیں، وہ ارتقا کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

☆ بیسویں اور اکیسویں صدی کے منتخب مترجمین قرآن متعلقہ آیات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ضمناً یہ بھی بتایا جائے گا کہ ماضی کے علما، مثلاً جاحظ، رومی، ابن مسکویہ اور دوسرے مسلمان فلاسفر ارتقا سے کیا سمجھتے تھے؟

ریسرچ کے کی ورڈز: علم کلام، سائنس، تخلیق، ارتقا، قرآن، بائبل۔

مسئلہ کا تعارف ہم نے سطور بالا میں کرانے کی کوشش کی۔ اب اس باب کے دوسرے حصہ، یعنی ہمارے موجودہ اسلامی لٹریچر میں اس سلسلہ میں کیا کچھ کہا گیا اور لکھا گیا، اس پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

تخلیق کائنات: انسان ہمیشہ سے یہ سوچتا رہا ہے کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟ یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ اس کائنات کا انجام کیا ہو گا؟ اِن بڑے سوالوں اور ان پر متفرع اور سوالوں کا جواب فلسفہ اور مذہب، دونوں نے اپنے اپنے طور پر دینے کی کوشش کی ہے۔ سترھویں صدی میں سائنس فلسفہ سے الگ ایک مستقل بالذات علم بن گئی تو وہ بھی ان سوالوں کے جواب دے رہی ہے۔ نظریۂ ارتقا اپنی اصل میں زمین پر انواع (species) کے ظہور اور ان کے تنوع کی ایک سائنسی توجیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس کے پیش نظر الحاد کو دلائل فراہم

کر نانہ تھا، اگرچہ اس کا استعمال بڑے پیمانہ پر اس کے لیے کیا گیا۔ یہاں ہم پہلے مذہبی بیانیہ اور اس کے بعد سائنسی بیانیہ کا تذکرہ کریں گے۔

اسلام کا روایتی بیانیہ

اسلام کا روایتی بیانیہ یا یوں کہیں کہ مذہب کا روایتی بیانیہ انسان کی تخلیق سے متعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف اجزا لے کر مٹی کا ایک پتلہ بنایا، پھر اُس میں پھونک مار کر اس کو زندہ کر دیا جو کہ پہلے انسان آدم تھے۔ آدم ہی کی پسلی سے حوا کو وجود بخشا، اِس پہلے جوڑے سے ساری انسانی نسلیں پھلی پھولیں۔ لہٰذا آدم مطلق پہلے انسان اور ابوالبشر ہیں۔ اِس بیان کے فروعات و تفصیلات میں تینوں آسمانی مذاہب اسلام، مسیحیت اور یہودیت میں مختلف چھوٹے چھوٹے اختلافات موجود ہیں، تاہم ان چھوٹے چھوٹے اختلافات کے باوجود تینوں کا مشترکہ عقیدہ یہی ہے۔ اِس میں، البتہ بائیبل کی کہانی کا غلبہ ہے جس سے فکر اسلامی متاثر ہوئی ہے، کیونکہ قرآن پاک میں یہ تو بتایا ہے کہ آدم و حوا سے ساری نسل انسانی چلی ہے، مگر ان کی تخلیق کی یہ کہانی اِس تفصیل کے ساتھ موجود نہیں ہے[۳]۔

مولانا آزاد نے لکھا ہے:

> "یاد رہے کہ پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں اور جو تمام تر یہودیوں کی قصص و روایات سے ماخوذ ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث 'خلق اللہ التربة یوم السبت... الخ' کی نسبت بھی محققین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اُس کا رفع مشکوک ہے اور غالباً کعب احبار سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اقوال جمع کر دیے ہیں۔"[۴]

جہاں تک کائنات کی تخلیق اور زمین کی تخلیق یا انسان کے علاوہ دوسرے جان داروں اور شجر و حجر وغیرہ کی تخلیق کی بات ہے تو اس معاملہ میں آسمانی مذاہب کوئی تفصیلی بیانیہ نہیں دیتے۔ وہ البتہ یہ ضرور مانتے ہیں کہ زمین کائنات کا مرکز (centre) ہے؛ یہی ارسطو کا ورلڈ ویو بھی کہتا ہے۔ اور انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس لحاظ سے ایک خصوصی پوزیشن کا حامل ہے اور کائنات و مافیہا، سب انسان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ البتہ زمین کی عمر کے بارے میں بائیبل یہ کہتی ہے کہ وہ ۵ ہزار آٹھ سو ستانوے سال پرانی ہے۔ مگر اسلام میں ایسی کوئی چیز

۳۔ مورس بوکائیے، بائیبل قرآن اینڈ سائنس۔

۴۔ ابوالکلام آزاد، تفسیر ترجمان القرآن ۲/۲۳۱-۲۳۲، اسلامی اکادمی، لاہور۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

نہیں ہے جس میں زمین کی عمر کا کوئی تعین کیا گیا ہو۔

امام ابن حزم اس بارے میں لکھتے ہیں:

وأما اختلاف الناس في التاريخ فإن اليهود يقولون: الدنيا أربعة آلاف سنة والنصارٰی يقولون: الدنيا خمسة آلاف سنة وأما نحن فلا نقطح علی علم عدد معروف عندنا و من ادعی في ذٰلک سبعة آلاف أو أكثر أو أقل فقد كذب وقال مالم يات قط عن رسول الله ﷺ فيه لفظة تصح عنه بل صح عنه خلافه بل يقطع علی أن للدنيا أمدًا لا يعلمه إلا الله عزوجل. قال تعالیٰ: ”ماشهدتم خلق السماوات والأرض ولاخلق أنفسهم“ وقول رسول الله ﷺ: ”ماأنتم في الأمم قبلكم إلا كالشعرة البيضاء في الثور الأسود أوالشعرة السوداء في الثور الأبيض“. هذا عنه عليه السلام ثابت وهؤلاء يقول إلا عين الحق وقال تعالیٰ: ”وعادًا وثمود أو أصحاب الرس و قرونًا بعد ذٰلک كثيرًا“ وهؤلاء يسامع لشيء من الباطل لاباعياء ولا بغيره فهذه نسبة من قد تدبرها وعرف مقدار عدد أهل الإسلام ونسبة ما بأيديهم من

”باقی رہا لوگوں کا اختلاف تاریخ میں تو یہودیوں کا قول ہے کہ دنیا چار ہزار برس کی ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ پانچ ہزار برس کی۔ لیکن ہم لوگ کسی خاص عدد پر یقین نہیں کرتے اور جو شخص سات ہزار یا اس سے کم یا زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے، وہ جھوٹا ہے اور ایسی بات کہتا ہے جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک لفظ بھی منقول نہیں، بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت ہے۔ بلکہ ہمارا یقین ہے کہ دنیا کی مدت کو بہ جز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ خدا تعالیٰ نے کہا: تم آسمان اور زمین کی پیدایش کے وقت موجود نہ تھے، بلکہ اپنی پیدایش کے وقت بھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ تمھاری مثال اگلی امتوں کے مقابل میں ایسی ہے، جیسے سیاہ بیل کے جسم میں ایک سفید بال یا سفید بیل کے جسم میں ایک سیاہ بال۔ یہ حدیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے اور آں حضرت کا ارشاد بہ جز حق کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور خدا نے کہا کہ ”عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور ان کے درمیان بہت سے قرن تھے“ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسی چیز کے متعلق تسامح نہیں فرما سکتے جو غلط ہو، نہ بہ سبب قاصر البیانی کے اور نہ کسی اور سبب کے،

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معمور الأرض فإنه الأكثر علم إن للدنيا عدد لا يحصيه إلا الخالق تعالیٰ. (الملل والنحل ۱/۸۳)

پس یہ ایک ایسی نسبت ہے کہ جو شخص اس پر غور کرے اور مسلمانوں کی گنتی کو جانے اور یہ جانے کہ ان کے قبضے میں کس قدر زمین کی آبادی ہے (کیونکہ زیادہ تر انھی کے ہاتھ میں ہے) تو وہ جان لے گا کہ دنیا کی گنتی کو بہ جز خدا کے کوئی شخص شمار نہیں کر سکتا۔"[۵]

البتہ یہودیوں کے زمین کے تصور کے بارے میں "جیوئش انسائیکلوپیڈیا" یہ کہتا ہے:

"The Hebrows regarded the earth as a plain or a hill, figured like a hemeisphere, swimming on water, over this arched the solid vault of heaven. To this vault are fastened the lights, the stars. So light is this elevation that birds may rise to it and fly along its expanse".

"یہودی یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک پہاڑی ہے یا ایک میدان ہے جو نصف کرہ کی طرح واقع ہے اور پانی میں تیر رہی ہے۔ اسی کے اوپر آسمان کی ٹھوس محراب ثابت ہے اور ان محرابوں سے ستارے، ٹنکے ہوئے ہیں یوں روشنی وہی اونچان ہے جس کی طرف پرندے اٹھ سکتے اور اس کی وسعتوں میں اڑ سکتے ہیں۔"[۶]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

سائنسی بیانیہ

ماڈرن سائنسی دور میں بہت عرصہ تک کائنات کو ابدی خیال کیا جاتا رہا۔ سمجھا جاتا تھا کہ کائنات لا محدود ہے، اِس میں بنیادی طور پر ستارے (stars) ہیں۔ یکسانیت کے باعث کائنات میں کوئی ایسا مرکزی مقام نہیں جس کی طرف ستارے مائل بہ ہبوط ہوں، حتیٰ کہ آئن اسٹائن نے بھی کائنات کو ثابت و ساکن قرار دینے کے لیے ۱۹۱۴ء میں اپنی مساوات میں ایک اضافی term استعمال کی تھی جس پر اس نے بعد میں افسوس بھی ظاہر کیا تھا[۷]۔

لیکن بتدریج نئی تحقیقات سے یہ پتا چلتا گیا کہ اجرام کائنات میں ایسے بے شمار پراسس جاری ہیں جن میں

۵۔ بحوالہ مقالات سرسید ۹/۴-۱۰۔

۶۔ بحوالہ جمشید اختر، The fate of our Universe ۱۱۔

۷۔ ایضاً ۵۔

تغیر بھی نہیں لایا جا سکتا اور جن کی وجہ سے کائنات کو ثابت و ساکن بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ تھرموڈائنامک طریقوں میں مزید تحقیق نے بتایا کہ کائنات بتدریج اپنی Heat death کی طرف بڑھ رہی ہے، یعنی اس کی حدت تیز ہوتی جا رہی ہے اور جس کی وجہ سے ایک دن اس کی موت ہو جائے گی، چنانچہ وہ ابدی تو نہیں ہو سکتی۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں دو پیپرز اس مسئلہ پر شائع ہوئے جنھوں نے موجودہ صورت کو ہمیشہ کے لیے تبدیل کر کے رکھ دیا۔ پیپر یہ تھے:[8]

Edwin Hubble "A Relation between Distantce and Radial Velocity-1 among Extra -Galactic Nebulai" (a 929Proceeding of the National Acacemy of Sciences of the United States of America" Volume 15 issue 3,pp.168-173.

F.Hoyle, "A New Model for the Expending Universe" Monthly Notices of the-2 Royal Asronomical Society, 108 (3721948).

۱۹۲۷ء میں George Lemairte نے آئن اسٹائن کی عمومی اضافت کی تھیوری کی مساواتوں میں سے جو مساوات نکالی، اس کو فرائیڈمین لیمارٹے رابرٹسن واکر مساوات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جارج نے سب سے پہلے یہ کہا کہ کائنات کی ابتدا ایک ابتدائی ایٹم (primeval atom) کے پھٹنے سے ہوئی۔ (پہلے پیپر میں اس کی وضاحت تھی)۔

۱۹۲۹ء میں ایڈون ہبل نے بتایا کہ دوسری کہکشانوں سے زمین پر جو لائٹ آ رہی ہے، وہ اپنی دوری کے لحاظ سے اتنی ہی سرخی مائل ہے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے تھے: یا تو ہم کہکشانوں کے دھماکے کے سینٹر میں ہیں یا کائنات ہر طرف کو یکسانیت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ چونکہ کوپرنکس پہلے ہی یہ ثابت کر چکا تھا کہ زمین کائنات کے مرکز میں اور مخصوص پوزیشن والی نہیں ہے، اس لیے پہلا امکان تو ہو نہیں سکتا تھا، اس لیے دوسرا امکان ہی متعین ہو گیا کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ (دوسرا پیپر اس کی تشریح کرتا تھا) اس تھیوری کی پھر دو ممکنہ تشریحیں پائی جاتی ہیں، جن کی باریکیوں میں نہ جاتے ہوئے یہاں اتنا کہنا کافی ہو گا کہ لیمارتے نے بگ بینگ تھیوری دی جس کو جارج گیمو نے بھی سپورٹ کیا[9]۔ دوسرا ماڈل فریڈ ہائل نے اسٹیڈی اسٹیٹ تھیوری کا دیا[10]

۸۔ بحوالہ جمشید اختر، The fate of our Universe ۵۔

۹۔ ایضاً ۵۔

۱۰۔ ایضاً ۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جس کو بعد میں رد کر دیا گیا۔ کچھ اور ماڈل بھی پیش کیے گئے اور ان کے حق میں دلائل بھی دیے جاتے رہے۔

اصل میں کائنات کے آغاز سے متعلق کئی تھیوریاں اور نمونے پیش کیے گئے جن میں بعض یہ ہیں:

۱۔اسٹیڈی اسٹیٹ تھیوری (Steady state theory): اس نظریہ کی رو سے کائنات قدیم ہے۔ اس کا کوئی آغاز ہے اور نہ انجام۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ اصل میں قدیم یونانی نظریات کی سائنسی تعبیر ہے اور اس تھیوری نے سائنس کی دنیا میں ۱۹۶۵ء تک اپنا تسلط برقرار رکھا تاآنکہ بگ بینگ تھیوری نے اس نظریہ کو بالکل کھوکھلا ثابت کر دیا۔

۲۔اہتزازی نظریہ (Oscillating Universe Theory): اس کے مطابق کائنات بار بار تشکیل پانے اور وسعت اختیار کرنے اور آخر میں پھر سکڑاؤ کے عمل کو مسلسل جاری رکھ سکتی ہے۔ اصل میں کائنات کی تخلیق سے متعلق سائنس دانوں نے کئی معیارات اور خاکے پیش کیے ہیں جو کائنات کے آغاز کی مختلف حالتوں کی وضاحت کرتے ہیں[11]۔

مگر ۱۹۶۵ء میں یہ دریافت ہوئی کہ پوری کائنات Heat Radiation زیرو سے ۳ ڈگری زیادہ کی حرارت میں نہارہی ہے۔ یہ چیز بگ بینگ کی باقیات میں سے قرار دی گئی اور سائنس دانوں کی اکثریت نے اس پر اتفاق کر لیا کہ کائنات کے آغاز میں بگ بینگ ہوا تھا اور اس سے کائنات کا آغاز ہوا[12]۔ تاہم اِس سے یہ نئے سوال

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۱۔مثال کے طور پر:

۱۔فرائڈمین کا خاکہ جس کو Friedman Model کہتے ہیں۔

۲۔عظیم دھماکے کا خاکہ Big Bang Model۔

۳۔ایڈون ہبل کا خاکہ Edvin Hubble Model۔

۴۔پنزیاس اور ولسن کا خاکہ Penzias & Wislon's Model۔

۵۔نئے پھیلاؤ کا خاکہ New Inflationary Model۔

۶۔بدنظم پھیلاؤ کا خاکہ Chaotc Inflationary Model۔

جسے وحدانیت کی تحویل کا خاکہ (Singularity Theorems Model) بھی کہتے ہیں اور اس کو راجر پنزوز اور اسٹیفن ہاکنگ نے ثابت کیا تھا۔

۱۲۔بحوالہ جمشید اختر، The fate of our Universe ۔

بھی پیدا ہو گئے کہ بگ بینگ آخر کیوں ہوا؟ کہاں ہوا؟ اور اس سے پہلے کیا تھا؟ یہ سوال ابھی تک محتاج جواب بنے ہوئے ہیں۔

سائنس دان مانتے ہیں کہ بگ بینگ سے جو شدید دباؤ پیدا ہوا، اس سے پیدا شدہ کشش کی زبردست قوت کو ختم کر دینے والی کوئی قوت کائنات میں نہیں، لہٰذا بگ بینگ کی ابتدا میں جتنا زیادہ کہکشانوں کا مادہ باہم چپکا ہوا ہو گا، اتنا ہی زیادہ کشش کا پریشر مادہ پر ہوا ہو گا، کیونکہ اس کمپریسر کی کوئی حد نہیں تو اندر سے مادہ کو توڑتا ہوا پریشر بالآخر اس کو ایسے نقطہ پر لے آیا ہو گا جسے infinite Compressure کہتے ہیں۔ اس نقطہ پر کشش کی قوت اور مادہ کی کثافت بے نہایت رہی ہو گی۔ اسی نقطہ میں پورے Cosmose کی سمائی رہی ہو گی جس کو فزکس کے ماہرین Singularity یا نقطۂ وحدانیت بولتے ہیں۔ یعنی وہ ایسی حالت یا پوزیشن تھی جس میں مادے کی کثافت، قوت کشش اور حرارت اتنی زیادہ تھی کہ فزکس اور ریاضی کے موجودہ قوانین سے اس کی حقیقت کا پتا لگانا سر دست ناممکن ہے۔ نہ ہی یہ بتایا جا سکتا ہے کہ آیا اس وقت ''وقت'' (ٹائم) کا کوئی وجود تھا یا نہیں۔ البتہ اسٹیفن ہاکنگ نے کانٹ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ ''وقت کا تسلسل ہمیشہ سے موجود مانتا ہے''[13]۔ جمشید اختر قرآنی آیت 'كَانَتَا رَتْقًا' سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ حالت بھی پہلے نہیں تھی، بلکہ یہ ''پوزیشن بعد میں ہوئی''، یعنی اِس سے پہلے کوئی اور حالت تھی جس کی تحقیق کی ضرورت ہے[14]۔ تو جب انفجار ہوا تو سب سے پہلے ایک دھواں وجود میں آیا۔ یہ دھواں ہائیڈروجن اور ہیلیم پر مشتمل تھا۔ یہ دونوں عناصر انفجار کے چودہ سیکنڈ کے اندر وجود میں آئے۔ ہارون یحییٰ کہتے ہیں:

> ''سائنس دانوں کا اس بات پر عام اتفاق ہے کہ فطری عناصر کی فہرست میں پہلے اور سب سے ہلکے دو عناصر، یعنی ہائیڈروجن اور ہیلیم بگ بینگ کے پہلے چودہ سیکنڈ کے اندر وجود میں آ چکے تھے۔ شروع میں کائنات صرف ہائیڈروجن اور ہیلیم کا ایک عظیم مجموعہ تھا۔ اگر یہ اسی طرح رہتا تو نہ ستارے ہوتے نہ سیارے نہ پتھر ہوتے نہ مٹی نہ درخت ہوتے نہ انسان۔''[15]

۱۳۔ ملاحظہ ہو: وقت کا سفر ۲۷۔

۱۴۔ بحوالہ جمشید اختر، The fate of our Universe ۱۰۔

۱۵۔ ہارون یحییٰ، Creation of the Universe ۴۵۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یعنی دونوں عناصر سائنس کے نزدیک پہلے چودہ سیکنڈ میں پیدا ہو گئے تھے[16]۔ آئن اسٹائن کی عمومی اضافت کی تھیوری یہ بھی بتاتی ہے کہ فضا، ٹائم اور مادہ یہ تینوں الگ الگ وجود نہیں، بلکہ باہم ملے ہوئے ہیں۔ اس ارتباط کے معنی یہ ہیں کہ بیرون کی جانب کوسموز Cosmos کی توسیع صرف کہکشانوں کا ایک دوسرے سے بھاگنا نہیں تھا، بلکہ اسپیس خود ٹائم سے مربوط ہے۔ اگر ہم ٹائم اور اسپیس کو پیچھے لے جاسکیں تو Infinte Cosmos کے نقطے پر اسپیس بھی یا تو بلا نہایت سمٹ سکڑ جائے گی یا ٹائم کے ساتھ بالکل غائب ہو جائے گی، کیونکہ اسپیس کے بغیر ٹائم نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بگ بینگ سے ٹائم اور اسپیس، دونوں ساتھ ساتھ وجود پذیر ہوتے چلے گئے۔[17] اسی سے سلسلۂ علت و معلول وجود میں آیا۔

ہبل کی توسیع کائنات کی تھیوری کا مطلب یہ تھا کہ پوری کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ جیسے کسی غبارے کو پھُلانے سے پہلے اس پر کچھ چھوٹے بڑے نقطے ڈال دیے جائیں اور غبارہ کو پھُلانا شروع کیا جائے تو جو نتیجہ ہو گا، وہ یہ ہو گا کہ غبارہ جتنا پھولتا جائے گا، اتنا ہی یہ بے شمار نقطے بھی ایک دوسرے سے مسلسل دور ہوتے جائیں گے۔ اسٹیفن ہاکنگ کے مطابق:

"۱۹۲۴ء میں ایڈون ہبل نے بتایا کہ اب ہماری کہکشاں اکلوتی نہیں۔ حقیقت میں بہت سی اور کہکشائیں بھی ہیں جو ایک دوسرے کے درمیان خالی جگہ Empty Space کے وسیع خطہ رکھتی ہیں"[18]۔ ۱۹۲۰ء میں ہبل

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۶۔ کائنات کے ٹھنڈا ہونے کے اعداد و شمار۔

بگ بینگ کے بعد عرصہ	درجہ حرارت
8/10 سکینڈز	10.13 0c
تین منٹ	10 80c

اس کے بعد لمبے زمانوں تک کوئی تغیر نہیں ہوا اور درجۂ حرارت اسی حالت میں رہا پھر 300,000 (تین لاکھ) سال بعد درجۂ حرارت بڑھ کر 10 80c ہو گیا۔

بگ بینگ کے ایک ملین سال بعد	3,000 oC درجہ پر پہنچا
1000 ملین سال بعد	170 oC_ درجۂ حرارت
15000 سال بعد	-270 oC ہوا

تفصیل کے لیے دیکھیں: The Univers Facts کیرل اسٹوٹ، کلنٹ سٹوٹ اردو ترجمہ: یاسر جواد۔

۱۷۔ بحوالہ جمشید اختر، The fate of our Universe ۷۔

۱۸۔ وقت کا سفر ۶۴۔

نے مزید حیرت انگیز دریافت شائع کی... کہکشاں جتنی دور ہے اتنی ہی تیزی سے مزید دور جا رہی ہے اور اس کا مطلب تھا کہ کائنات ساکن نہیں ہو سکتی"

اس بیانیہ کے مطابق تقریباً ۱۵ ہزار (پندرہ ارب) سال قبل ہونے والے اس انفجار عظیم کے نتیجہ میں تمام مادہ، توانائی اور حرکت (زمان و مکان) وجود میں آئے۔ ابتداءً کائنات بہت چھوٹی اور گرم تھی۔ ایٹمی ذرات مزید پھیلنے کے باعث ٹھنڈی ہونے لگی۔ بگ بینگ میں اتنی طاقت تھی کہ تب سے لے کر اب تک کائنات مسلسل پھیل رہی ہے"[۱۹]۔

سائنس دان کائنات کی تخلیق کو کئی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ان کے مطابق particles اور Antiparticles بگ بینگ کے بعد پہلے سیکنڈ کے اتنے چھوٹے حصہ میں وجود میں آ چکے تھے کہ اتنے چھوٹے حصہ کو ظاہر کرنے کے لیے انسانی زبانوں میں کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔ جدید سائنس پوری ریاضی پر استوار ہے تو اس لمحہ کو ظاہر کرنے کے لیے سائنس دان ۱ کے دائیں جانب ۴۳ صفر لگاتے ہیں اور اس سے جو عدد حاصل ہو گا، اس عدد کے اندر یہ ذرات اور مخالف ذرات وجود میں آ گئے۔ تو یوں چودہ سیکنڈ کے دورانیہ میں ہائیڈروجن اور ہیلیم کا وہ ''دھواں'' وجود میں آیا جو پوری کائنات کا مادہ وجود ہے۔ بگ بینگ کے بعد چند منٹوں میں مادہ (matter) وجود میں آ گیا۔ اس وقت کائنات ۷۵ فی صد ہائیڈروجن اور ۲۵ فی صد ہیلیم پر مشتمل تھی اور اس کا ابتدائی درجۂ حرارت تقریباً ۱۰۰۰۰ (دس ہزار) ملین ڈگری تھا۔ سائنس دانوں کے مطابق:

> ''عظیم دھماکے سے پھٹنے کے عمل کے آغاز کے ساتھ ہی ایک سیکنڈ کے سوویں حصہ میں وہ اکائیت پھیل کر ابتدائی آگ کا گولا (Primordial Fireball) بن گئی اور دھماکے کے فوری بعد اُس کا درجۂ حرارت ایک کھرب سے ایک کھرب ۸۰ ارب سینٹی گریڈ تک جا پہنچا۔ عظیم دھماکے سے ایک منٹ بعد ہی کائنات کا درجۂ حرارت گر کر ۱۰ ارب سے ۱۸ ارب سینٹی گریڈ کے درمیان آن پہنچا۔ یہ سورج کے مرکز کے موجودہ درجۂ حرارت سے تقریباً ایک ہزار گنا زیادہ حرارت تھی۔ اُس وقت کائنات زیادہ تر فوٹان، الیکٹران، نیوٹران اور اس کے مخالف ذروں پر مشتمل تھی۔ کائنات کے اولین مرحلہ کی تصویر کشی سب سے پہلے جارج گیمو (George Gamoe) نامی سائنس دان نے ۱۹۴۸ء میں تصنیف کردہ اپنی مشہور تحریر ۱، ۲، ۳ میں پیش کی۔ اس نے کہا کہ عظیم دھماکے کے معاً بعد کائنات اتنی شدید گرم تھی کہ ہر طرف نیوکلیائی حرارتی تعاملات

۱۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: The Univers Facts کیرل اسٹوٹ، کلنٹ سٹوٹ اردو ترجمہ: یاسر جواد (اور وقت کا سفر ص ۶۴)۔

(hermonuclear Reactions)شروع ہو سکیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابتدائی کائنات زیادہ توانائی کے حامل خورد موجی(Short-wave)فوٹانز سے معمور تھی‘‘۔[20]

اسٹیفن ہاکنگ کا تبصرہ یہ تھا:

’’۱۹۲۹ء میں ایڈون ہبل نے یہ عہد آفرین مشاہدہ کیا کہ جہاں سے بھی دیکھا جائے دور دراز کی کہکشائیں ہم سے مزید دور ہوتی جا رہی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وقتوں میں اجرام فلکی ایک دوسرے سے قریب رہے ہوں گے۔حقیقت میں یہ لگتا ہے کہ اب سے دس یا بیس ارب سال پہلے وہ سب ٹھیک ایک ہی جگہ پر تھیں تو اس وقت کائنات کی کثافت Dencity لا متناہی ہو گی یہ دریافت بالآخر کائنات کی ابتدا کے سوال کو سائنس کی دنیا میں لے آئی۔‘‘[21]

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں تخلیق کائنات کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو موجودہ کاسمولوجی جو سائنسی تحقیقات اور معلومات پر کھڑی ہے، وہ ایک بیانیہ دیتی ہے۔اس بیانیہ کے مطابق جیسا کہ اوپر گزرا آج سے کوئی ۱۵ بلین (ارب) سال پہلے خلا میں بگ بینگ (Big Bang) کا عظیم واقعہ ہوا۔بگ بینگ کے ہونے کے بعد پوری کائنات کا ظہور ہو گیا۔یہ تھا کائنات کے آغاز کا تفصیلی سائنسی بیان۔اب اس بارے میں مذہب کیا کہتا ہے یا وہ اس سائنسی بیانیہ سے اختلاف کرتا ہے یا نہیں؟اس سوال کے جواب میں مذہب پسند کہیں گے کہ ہمیں سائنس کی اس تفصیل سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔وہ قرآن کی ایک آیت دلیل میں پیش کرتے ہیں: ’وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ‘، ’’ہم نے آسمان کو بنایا اپنی قدرت (انرجی) سے اور ہم اس کو (مسلسل) پھیلائے جا رہے ہیں‘‘ (الذاریات ۵۱: ۴۷)۔واضح رہے کہ قرآن میں آسمان کہہ کر cosmos مراد لیا جاتا ہے، سات آسمانوں کا بیان صرف تقریب فہم کے لیے ہے، ورنہ سائنس کی دنیا میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں۔ یا یوں کہہ لیں کہ ’سَبْعَ سَمٰوٰتٍ‘ کے قرآنی بیان کی ابھی سائنس تصدیق یا تردید کرنے کے لائق نہیں ہوئی۔

[باقی]

۲۰۔طاہر القادری، تخلیق کائنات ۶۸۔

۲۱۔اسٹیفن ہاکنگ، وقت کا سفر ۲۸۔

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

(۳)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نفاق، خلفاے راشدین کے زمانے میں

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی شخص ایک کلمۂ نفاق کہتا تھا تو منافق شمار ہونے لگتا تھا۔ آج میں تم میں سے ہر ایک کو ایک ہی مجلس میں ایسے دسیوں کلمات کہتے سنتا ہوں (احمد، رقم ۲۳۲۷۸)۔

کچھ لوگ کوفہ کی مسجد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ حضرت حذیفہ بن یمان آئے اور سلام کرنے کے بعد کہا: نفاق نے اس قوم میں جنم لیا تھا جو تم سے بہتر تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود مسکرائے اور حضرت حذیفہ مسجد کے کونے میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابن مسعود اور ان کے حاضرین اٹھ گئے تو حضرت حذیفہ نے وہاں پر موجود اسود بن یزید کو بلایا اور کہا: مجھے ابن مسعود کی مسکراہٹ پر حیرت ہے، وہ قوم تم سے بہتر تھی، جن اہل نفاق (مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود کے استاذ حضرت مجمع بن جاریہ) نے توبہ کی تو اللہ نے انھیں معاف کر دیا (بخاری، رقم ۴۶۰۲)۔ حضرت حذیفہ کے کہنے کا مطلب تھا، تم تابعین سے بہتر طبقہ صحابہ میں نفاق در آیا، اس لیے تمھیں بے پروا نہیں ہونا چاہیے۔ دل بدل بھی جاتے ہیں، خاتمہ بالخیر کی تمنا کرنی چاہیے۔

زید بن وہب حضرت حذیفہ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ انھوں نے بتایا کہ منافقین میں سے اب چار ہی باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں سے ایک اتنا بوڑھا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پی لے تو اسے اس کی ٹھنڈک ہی محسوس نہ ہو (بخاری، رقم ۴۶۵۸)۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: آج (زمانۂ خلافت ابو بکر و عمر) کے منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے بدتر ہیں۔ تب وہ رازداری سے کام لیتے تھے اور اب یہ اپنی سرگرمیاں علانیہ کرتے ہیں (بخاری، رقم ۷۱۱۳)۔

فتنوں اور شر سے دل چسپی

حضرت حذیفہ بن یمان کہتے ہیں: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی بابت پوچھتے تھے اور میں شر کے بارے میں سوال کرتا تھا، اس اندیشے سے کہ مجھے لاحق نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے سوال کیا: یا رسول اللہ، ہم جاہلیت کے شر میں مبتلا تھے۔ اللہ نے ہمیں اسلام کے خیر سے نوازا، کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لوگ میری سنت اور ہدایت چھوڑ دیں گے اور دوسرے طریقوں اور رواجوں پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ تم انھیں پہچان لو گے اور ان پر نکیر کرو گے، کتاب اللہ کا علم حاصل کرنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا۔ میں نے پوچھا: اس کے بعد آنے والا شر کیا ہو گا؟ فرمایا: ایک اندھا بہرا فتنہ، جہنم کے دروازوں پر داعی بیٹھے ہوں گے، جو ان کی سنے گا، اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔ میں نے کہا: ان کی وضاحت فرمائیے۔ ارشاد ہوا: یہ ہمارے جیسے لوگ ہی ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ، میرے لیے کیا حکم ہے، اگر میرا ان سے سامنا ہو؟ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے چپکے رہنا۔ میں نے سوال کیا: اگر جماعت ہو نہ امام؟ فرمایا: تمام گروہوں سے الگ ہو جانا، چاہے درخت کے تنے سے چمٹنا پڑے، حتیٰ کہ تمھیں اسی حالت میں موت آ جائے (بخاری، رقم ۳۶۰۷، ۷۰۸۴۔ مسلم، رقم ۴۷۸۴۔ ابن ماجہ، رقم ۳۹۷۹۔ احمد، رقم ۲۳۲۸۲)۔ اوزاعی کہتے ہیں: آپ کے فرمودہ لفظ 'دخن' سے مراد فتنۂ ارتداد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ظاہر ہوا۔

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں: واللہ، میں ہر فتنے کا جو آج سے لے کر قیامت تک ظاہر ہو گا، سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ باتیں راز میں کی ہوں اور کسی اور کو نہ بتائی ہوں۔ آپ نے ایک مجلس میں فتنوں کا بیان کیا جس میں میں بھی موجود تھا۔ اس مجلس میں

شریک سب لوگ وفات پا چکے ہیں، اکیلا میں ہی رہ گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تین فتنے ایسے ہیں کہ سب کچھ تباہ کر دیں گے، کچھ نہ چھوڑیں گے۔ بعض فتنے گرمیوں کی آندھیوں کی طرح ہوں گے، کچھ چھوٹے، کچھ بڑے ہوں گے (مسلم، رقم ۷۲۶۲۔ احمد، رقم ۲۳۲۹۱)۔ حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں: ہم عمر کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے پوچھا: تم میں سے کسے فتنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد ہے؟ میں نے کہا: مجھے۔ کہا: بتاؤ، تم بڑے دلیر ہو۔ میں نے بتایا: اہل، مال، اولاد اور پڑوسیوں کے بارے میں آنے والی آزمایشوں کو نماز اور صدقہ دور کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا: میری مراد اس فتنے سے ہے جو سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مارے گا۔ میں نے کہا: امیر المومنین، اس فتنے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ (ایک شخص) حائل ہے، اس لیے آپ کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو گا۔ ان کا اگلا سوال تھا: تو کیا یہ دروازہ کھلے گا یا ٹوٹے گا، (یعنی وہ شخص قتل ہو گا)؟ میں نے جواب دیا: وہ ٹوٹے گا۔ حضرت عمر نے کہا: تب تو وہ کبھی بند نہ ہو سکے گا۔ حاضرین نے حضرت حذیفہ سے پوچھا: کیا عمر اس دروازے کے بارے میں جانتے تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اس طرح جس طرح وہ جانتے تھے کہ دن کے بعد رات آئے گی۔ میں نے انھیں حدیث رسول سنائی ہے، غلط باتیں نہیں بتائیں۔ مسروق نے بتایا: وہ دروازہ خود حضرت عمر تھے، چنانچہ ان کی شہادت کے بعد فتنوں کا آغاز ہو گیا۔ حضرت حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا: دلوں پر فتنے اس طرح وارد ہوتے ہیں، جس طرح چٹائی تنکا تنکا کر کے بنی جاتی ہے، جس دل میں فتنہ رچ بس جاتا ہے، ایک سیاہ داغ چھوڑ جاتا ہے اور جو اسے قبول کرنے سے ابا کرتا ہے، اس میں سفید نورانی نشان پیدا ہو جاتا ہے، اس دل کو آیندہ آنے والے فتنے ضرر نہ پہنچا سکیں گے (بخاری، رقم ۷۰۹۶۔ مسلم، رقم ۳۶۹۔ ترمذی، رقم ۲۲۵۸۔ ابن ماجہ، رقم ۳۹۵۵۔ احمد، رقم ۲۳۲۸۰)۔

ایک شخص نے حضرت حذیفہ سے سوال کیا: کون سا فتنہ شدید ترین ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ کہ تمھارا سامنا خیر و شر سے ہو اور تمھیں سمجھ نہ آئے کہ کس کو اختیار کروں۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمدہ فتنوں کا بیان فرمایا تو میں نے ہر شے کے بارے میں سوال کیا، البتہ اہل مدینہ کو مدینہ سے نکالنے والوں کے بارے میں نہ پوچھ سکا (مسلم، رقم ۷۳۶۸۔ احمد، رقم ۲۳۲۸۱)۔ ابن حجر کہتے ہیں: حضرت ابوہریرہ کو ان لوگوں کے بارے میں علم تھا، انھوں نے بتایا: برے حکمران ہوں گے جو لوگوں کو شہر مدینہ سے نکالیں گے (تحفۃ الاشراف ۳۳۷۰)۔ دوسری روایت میں ہے: حضرت حذیفہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وعظ فرمایا اور اس میں قیامت تک پیش آنے والی (ہدایت و ضلالت کے اعتبار سے قابل ذکر) کسی بات کو نہ چھوڑا۔ آپ کے ارشادات کچھ لوگوں نے یاد

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رکھے، کچھ ان سے غافل ہو گئے۔ میرا یہ حال ہے کہ لگتا ہے کہ ایک شے بھول گئی ہے، لیکن پھر یاد آ جاتی ہے جس طرح ایک دور چلے جانے والے شخص کو دوبارہ دیکھنے پر انسان پہچان لیتا ہے (بخاری، رقم ۶۶۰۴۔ مسلم، رقم ۷۲۶۳۔ ابوداؤد، رقم ۴۲۴۰۔ احمد، رقم ۲۳۲۷۴)۔

حضرت حذیفہ بن یمان کہتے ہیں: میں ایک شخص کو جانتا ہوں جسے فتنہ کوئی ضرر نہ پہنچائے گا، وہ محمد بن مسلمہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: تمھیں فتنہ کوئی ضرر نہ پہنچائے گا (ابو داؤد، رقم ۴۶۶۳)۔ راوی ثعلبہ بن ضبیعہ نے بتایا کہ ہم نے محمد بن مسلمہ کو مدینہ سے باہر ایک خیمے میں مقیم دیکھا۔ وہ کہتے تھے: میں کسی شہر میں نہ رہوں گا، حتیٰ کہ ملت اسلامیہ سے فتنہ زائل ہو جائے (ابوداؤد، رقم ۴۶۶۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۵۸۳۷)۔

حضرت حذیفہ کی امتیازی خصوصیات اور کم زوریاں

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان کی تین خصوصیات کو خوب جانچ لیا تھا: غیر معمولی ذہانت جو الجھنوں کو سلجھا دے، پکار پر لبیک کہنا اور عمل پر فوراً آمادہ ہو جانا اور رازداری۔

کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نرکل کے جھونپڑے کا مقدمہ لے کر آئے جو دونوں فریقوں کے زیر استعمال تھا۔ آپ نے فیصلہ کرنے کے لیے حضرت حذیفہ کو بھیجا۔ انھوں نے فیصلہ کیا: جھونپڑا اس کا ہے جس کے پاس اس کو باندھنے والی رسی ہے۔ سرکنڈے کا نرم حصہ، یعنی کھجور کے پتے اور چھلکا جھونپڑی کے مالک کی طرف ہوتے ہیں اور سخت اور کھردرا حصہ دوسری طرف ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہ نے واپس آ کر آپ کو بتایا تو فرمایا: تو نے درست اور خوب فیصلہ کیا ہے (ابن ماجہ، رقم ۲۳۴۳)۔

حضرت حذیفہ بن یمان نماز پڑھاتے پڑھاتے رونے لگ گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد پیچھے کھڑے آدمی سے کہا: یہ بات کسی کو نہ بتانا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ اسے سات معزز رفقا و وزرا نہ دیے گئے ہوں، جب کہ مجھے چودہ نقیبوں (سات قریش سے اور سات باقی مہاجرین میں سے) کی معیت حاصل ہے۔ ان کے نام یہ ہیں، حمزہ، جعفر، علی، حسن، حسین، ابو بکر، عمر، مقداد، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ، سلمان، عمار، مصعب، بلال اور ابوذر'' (ترمذی، رقم ۳۷۸۵۔ احمد، رقم ۶۶۵، ۱۲۶۳)۔ یہ روایت موقوف ہے۔

ایک بار حضرت عمر بن خطاب نے اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے افراد کو اپنی اپنی خواہشیں بیان کرنے کو کہا۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایک شخص نے کہا: میری خواہش ہے، یہ گھر درہموں سے بھرا ہو اور میں سارے درہم اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں۔ دوسرے نے کہا: میری آرزو ہے، یہ گھر سونے سے پر ہو اور میں سارا سونا اللہ کی خاطر لٹا دوں۔ تیسرے نے اپنی تمنایوں بیان کی: میرا دل چاہتا ہے، یہ حویلی جواہرات سے لبریز ہو اور میں ان سب کو راہ خدا میں انفاق کر دوں۔ حضرت عمر نے کہا: میری خواہش تو یہ ہے کہ اس مکان میں ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے لوگ رونق افروز ہوتے اور میں ان سب کو اللہ کی راہ میں عامل مقرر کر دیتا۔ پھر حضرت عمر نے کچھ مال حضرت ابوعبیدہ کے پاس بھیجا اور کہا: دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے وہ مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر نے کچھ مال حضرت حذیفہ کے پاس بھی بھیجا اور کہا: دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے بھی وہ مال فوراً بانٹ دیا (التاریخ الصغیر، بخاری ۱۳۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۵۱۴۴)۔

صحابہ نے کہا: یارسول اللہ، آپ اپنا جانشین مقرر فرما دیتے۔ فرمایا: اگر میں نے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا اور تم نے اس کی نافرمانی کی تو مستحق عذاب ٹھیرو گے، تاہم حذیفہ جو تم کو بتائے، اسے سچ سمجھو اور عبد اللہ بن مسعود جس طرح قرآن پڑھ کر سنائے، ویسا ہی پڑھو (ترمذی، رقم ۳۸۱۲)۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے، جب کہ البانی ضعیف قرار دیتے ہیں۔

شیعہ حضرت حذیفہ کو حضرت علی کے اہم اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت حذیفہ مدائن میں تھے تو لوگوں کو وہ باتیں بتا دیتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو ناراض ہو کر کہی تھیں۔ ان لوگوں نے حضرت سلمان فارسی سے ذکر کیا تو انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا: ان باتوں کا حذیفہ ہی کو زیادہ علم ہو گا۔ تب حضرت حذیفہ حضرت سلمان فارسی سے ملنے ان کے کھیت میں گئے اور پوچھا: آپ میرے بتائے فرامین رسول کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ حضرت سلمان نے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے ناراض بھی ہوتے تھے اور خوش بھی۔ مختلف مواقع پر کیے گئے آپ کے تبصروں کو بیان کرنے سے کچھ صحابہ سے محبت بڑھے گی اور کچھ سے بغض جنم لے گا، اس طرح امت افتراق و انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ آپ ایسا کرنا چھوڑیں، نہیں تو عمر کو لکھ بھیجوں گا۔ بعد میں یہ معاملہ سلجھ گیا (ابوداؤد، رقم ۴۶۵۹)۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: میں اپنی اہلیہ کے ساتھ سخت زبان استعمال کرتا تھا، گھر والوں کے علاوہ کسی سے یہ معاملہ نہ ہوتا۔ میں نے یہ مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: تو استغفار کیوں نہیں کرتا؟ دن میں ستر دفعہ اللہ سے مغفرت طلب کیا کرو۔ میں دن میں ستر بار (دوسری روایت: سو بار) اللہ سے

مغفرت مانگتا ہوں (ابن ماجہ، رقم ۳۸۱۷۔ احمد، رقم ۲۳۳۴۰)۔

حضرت حذیفہ بن یمان کی انگوٹھی میں دو مرغابیاں بنی ہوئی تھیں اور درمیان میں 'الحمد للہ' نقش تھا۔

امر بالمعروف

ایک شخص نے نماز جلد جلد پڑھی، رکوع و سجود بھی پوری طرح ادا نہ کیے، حضرت حذیفہ بن یمان اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ فارغ ہوا تو پوچھا: تم کب سے اس طریقے سے نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے بتایا: چالیس سال سے۔ فرمایا: تم نے چالیس سال سے کامل نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح نماز ادا کرتے مر جاتے تو تمھارا خاتمہ امت محمد پر نہ ہوتا۔ آدمی ہلکی نماز پڑھ لے، لیکن رکوع و سجود پوری اور اچھی طرح ادا کرے (بخاری، رقم ۳۸۹۔ نسائی، رقم ۱۳۱۳۔ احمد، رقم ۲۳۲۵۸)۔

ایک بار مدائن میں حضرت عمار بن یاسر نماز کی امامت کرنے کے لیے مسجد کے چبوترے پر کھڑے ہو گئے۔ مقتدی ان سے نیچے کھڑے تھے، یہ صورت حال دیکھ کر وہاں پر موجود حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔ حضرت عمار ان کے کھینچنے پر نیچے اتر آئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حذیفہ نے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا کہ ''جب امام نماز پڑھانے لگے تو مقتدیوں سے اونچی جگہ پر نہ کھڑا ہو؟'' حضرت عمار نے جواب دیا: اسی لیے تو میں نے ہاتھ پکڑنے پر آپ کی بات مان لی تھی (ابوداؤد، رقم ۵۹۸)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت حذیفہ بن یمان نے علماے دین کو (جو اس وقت قاری کہلاتے تھے) تلقین کی: اللہ کے اوامر و نواہی پر عمل کرو، تم سے پہلے سابقین کی مثالیں گزر چکیں۔ اگر تم اللہ کے صراط مستقیم سے ہٹ کر دائیں بائیں کا رستہ لوگے تو دور کی گم راہی میں جا پڑو گے (بخاری، رقم ۷۲۸۲)۔

حضرت حذیفہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ لوگوں نے بتایا: فلاں شخص لوگوں کی باتیں امیر (المومنین حضرت عثمان) تک پہنچاتا ہے۔ حضرت حذیفہ نے اسے سنانے کو کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: چغل خور جنت میں نہ جائے گا (بخاری، رقم ۶۰۵۶۔ مسلم، رقم ۲۹۲۔ ترمذی، رقم ۲۰۲۶۔ احمد، رقم ۲۳۳۰۵)۔

مدائن کا خطبہ

حمد و ثنا کے بعد فرمایا: 'اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ'۔ خبر دار ہو جاؤ، قیامت کی گھڑی قریب آ چکی

ہے، سن رکھو، چاند شق ہو گیا ہے، آگاہ رہو، دنیا جدائی کا اعلان کر رہی ہے، سن لو کہ آج اونٹوں کو مقابلے کے لیے تیار کرانے کا دن ہے اور کل ان کے دوڑنے کا دن ہو گا۔ مسلمان کا دوڑنا یہ ہے کہ جنت کی طرف پیش قدمی کرے۔

مسائل تفسیر و فقہ

حضرت حذیفہ کی تفسیری روایات بھی موجود ہیں:

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۵: 'وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ'، ''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی راہ میں انفاق ترک کرنے کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری، رقم ۴۵۱۶)۔ ابن حجر کہتے ہیں: حضرت حذیفہ کے اس قول کی وضاحت اس واقعے سے ہو جاتی ہے جو قسطنطنیہ کی ایک جنگ میں پیش آیا۔ ایک مرد جری رومیوں کی صفوں میں گھس گیا اور قتال کر کے صحیح سلامت لوٹ آیا۔ لوگوں نے نعرہ بلند کیا: سبحان اللہ، اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے کہا: لوگو، تم اس آیت کی یہ تاویل کر رہے ہو، حالاں کہ یہ ارشاد باری ہم انصار کے بارے میں نازل ہوا۔ جب اللہ نے اپنے دین کی عزت افزائی کی اور اس کے نصرت کنندگان کی تعداد بڑھ گئی تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہمارا بہت مال صرف ہو چکا، اب ہم اسے بچائیں اور ضائع شدہ مال پھر سے جمع کر لیں تو یہ فرمان نازل ہوا۔ گویا ہماری مال بچانے کی نیت تہلکہ تھی (فتح الباری، شرح حدیث ۴۵۱۶)۔

حضرت سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمان سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں تکبیریں کس طرح کہتے تھے؟ حضرت ابوموسیٰ نے بتایا: آپ جنازوں کی طرح چار تکبیریں کہتے۔ حضرت حذیفہ نے کہا: سچ ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا: میں بصرہ میں تھا تو ایسے ہی کیا کرتا تھا (ابوداؤد، رقم ۱۱۵۳۔ احمد، رقم ۱۹۷۳۴)۔

عام مسلک یہ ہے کہ نفلی روزے کی نیت دن چڑھے، زوال سے پہلے کی جا سکتی ہے، تاہم حضرت حذیفہ بن یمان کہتے ہیں: جو آدمی زوال کے بعد بھی روزے کی نیت کرنا چاہے کر سکتا ہے (ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، رقم ۷۷۸۰)۔

حضرت حذیفہ کی کچھ روایتیں عام مسلک سے مطابقت نہیں رکھتیں جیسے زر بن حبیش کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن چڑھے، لیکن سورج نکلنے سے پہلے سحری کیا کرتے تھے (احمد، رقم ۲۳۴۰۰۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۴۷۳۔ ابن ماجہ، رقم ۱۶۹۵)۔ ابواسحاق کہتے ہیں: یہ روایت

منسوخ ہے،اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ علامہ سندھی نے تاویل کی کہ دن سے مراد شرعی دن ہے اور دن چڑھنے سے مراد طلوع فجر ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ (اتنی روشنی ہوتی تھی کہ) انسان تیر کے نشانے (target) کو دیکھ سکتا تھا (احمد، رقم ۲۳۴۴۲)۔ مدائن میں حضرت حذیفہ نے سحری کے لیے نماز کو بھی موخر کر دیا (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۹۰۳۰)۔

آداب طعام و مجلس

حضرت حذیفہ کہتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تو اس وقت تک ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک آپ شروع نہ کر دیتے۔ ایک بار ہم آپ کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے تھے کہ ایک باندی دوڑتی ہوئی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگی۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک بدو اتنی تیزی سے آیا، گویا اسے کسی نے دھکا دیا ہے۔ آپ نے اس کا ہاتھ بھی تھام لیا اور فرمایا: شیطان اس کھانے کو حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ وہ اس باندی اور بدو کو اس لیے پکڑ لایا کہ یہ طعام اپنے لیے حلال کر لے،اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے قبضے میں ہے (مسلم، رقم ۵۲۵۹۔ ابوداؤد، رقم ۳۷۶۶۔ احمد، رقم ۲۳۲۴۹)۔

حضرت حذیفہ بن یمان نے ایک شخص کو لوگوں کے دائرے کے بیچ میں بیٹھے دیکھا تو کہا: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے ذریعے سے اس شخص پر لعنت بھیجی ہے جو حلقے کے وسط میں بیٹھا (ابوداؤد، رقم ۴۸۲۶۔ ترمذی، رقم ۲۷۵۳۔ احمد، رقم ۲۳۲۶۳)۔

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: ہم مدائن میں حضرت حذیفہ کے پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے پانی مانگا تو ایک مجوسی کسان چاندی کے پیالے میں پانی لے آیا۔ انھوں نے پیالہ پکڑتے ہی پھینک دیا اور کہا: اگر میں نے تمھیں بار بار منع نہ کیا ہوتا تو پیالہ یوں نہ پھینکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ریشم اور اطلس پہنو نہ اس کو نشست بناؤ، سونے چاندی کے برتن میں پانی پیو نہ کھانا کھاؤ۔ یہ قیمتی دھاتیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمیں ملیں گی (بخاری، رقم ۵۴۳۲، ۵۸۳۷۔ مسلم، رقم ۵۳۹۴۔ ابوداؤد، رقم ۳۷۲۳۔ ترمذی، رقم ۱۸۷۸۔ نسائی، رقم ۵۳۰۳۔ احمد، رقم ۲۳۳۵۷)۔

خراج کی وصولی

۲۱ھ: فتح مدائن کے بعد حضرت عمر نے حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو عراق کی اس

سر زمین کا جسے دجلہ سیر اب کرتا ہے، خراج وصول کرنے (tax collection) کے لیے مقرر کیا۔ ان سے پہلے حضرت نعمان بن مقرن اور حضرت سوید بن مقرن اس کام پر مامور تھے، ان کے استعفیٰ کے بعد حضرت حذیفہ بن اسید اور جابر بن عمر (یا عمرو) کو یہ منصب ملا، مگر وہ بھی مستعفی ہو کر چلتے بنے۔

۲۳ھ: قاتلانہ حملے سے چار دن پہلے حضرت عمر حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عثمان بن حنیف کے پاس رکے اور پوچھا: تم لوگوں نے سواد عراق (کوفہ کے آس پاس کی بستیاں اور دیہات) میں جزیہ کا کیا کیا؟ تمھیں اندیشہ نہیں ہوا کہ اتنا ٹیکس لگادیا ہو کہ زمین کی پیداوار اسے پورا نہ کر سکے؟ دونوں عمال نے کہا: ہم نے اسی قدر خراج عائد کیا ہے جس کی زمین گنجایش رکھتی ہے، اس میں کوئی بڑی زیادتی نہیں۔ حضرت عمر نے تاکیداً کہا: پھر بھی جانچ لو، تم نے اتنا ٹیکس نہ لگادیا ہو جسے زمین کی پیداوار پوری نہ کر سکے۔ انھوں نے کہا: ایسی بات نہیں (بخاری، رقم ۳۷۰۰)۔ حضرت حذیفہ نے کہا: میں چاہتا تو اس سے دگنی شرح پر ٹیکس لگا سکتا تھا (مصنف ابن ابی شیبہ)۔ پھر حضرت عمر نے خود ہی حضرت عثمان بن حنیف سے کہا: اگر تو ہر شخص پر دو درہم اور ہر جریب (ایک بیگھ، چار کنال) زمین پر ایک درہم اور ایک قفیز (عراقی پیمانے کے مطابق ایک من آٹھ چھٹانک) غلہ خراج بڑھاتا تو لوگ اس کا بار برداشت کر لیتے۔ انھوں نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔

حضرت عثمان نے حضرت سعید بن العاص کو دوسری بار کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو اشتر ایک گروہ لے کر ان کے پاس پہنچا اور حضرت سعید کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ ان کے انکار پر کوفہ واپس آیا اور لوگوں کو حضرت سعید کے خلاف بھڑکایا، چنانچہ لوگوں نے حضرت سعید کو کوفہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اب اشتر نے من مانی کرتے ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کے انتظامی امور اور حضرت حذیفہ بن یمان کو مالی معاملات سونپ دیے۔ کوفہ کے لوگوں نے ان تقرریوں کو مان لیا تو چار و ناچار حضرت عثمان کو ان تقرریوں کو قبول کرنا پڑا۔

سیاست و حکومت

حضرت بشیر بن سعد سے پوچھا گیا: کیا آپ کو امرا و حکام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد ہے؟ حضرت حذیفہ پاس بیٹھے تھے، کہا: میں بتاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم اس وقت دور نبوت میں ہو، جب تک اللہ چاہے، پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت ہو گی۔ اللہ جب چاہے گا، اسے ختم کر دے گا، پھر بادشاہت کا دور آئے جب تک اللہ چاہے گا رہے گا اور پھر ختم ہو جائے گا۔ پھر آمریت اور جبر کا دور آئے گا، اللہ کی مشیت میں جب اسے ختم کرنا ہو گا، یہ دور بھی ختم ہو جائے گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوت پھر قائم ہو جائے گی

(احمد، رقم ۱۸۴۰۶۔ مسند طیالسی، رقم ۴۳۸)۔

قرآنی مصحف کی تیاری کا مشورہ

حضرت حذیفہ بن یمان نے شام و عراق کی جنگوں میں حصہ لیا تو دیکھا کہ شام کے لوگ قرآن مجید حضرت مقداد بن اسود اور حضرت ابوالدرداء کی قراءت کے مطابق پڑھتے ہیں، جب کہ عراقی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قراءت کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ اپنی اپنی قراءتوں کو درست سمجھتے ہیں اور دوسروں کو خطاکار ٹھیراتے ہیں، اس طرح لوگوں میں اختلاف و انتشار پیدا ہونے لگا ہے۔ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے بعد حضرت حذیفہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان سے ملاقات کی اور کہا: امیر المومنین، اس امت کو بچا لیں قبل اس کے کہ وہ قرآن کی قراءت میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف نہ کرنے لگ جائیں۔ تب حضرت عثمان نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا کہ مصحف کو ایک عبارت میں تحریر کر کے تمام اقالیم اسلامیہ کے لوگوں کو اس پر جمع کر دیا جائے۔ اسی طرح جھگڑا اور اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ انھوں نے وہ مصحف منگوایا جو حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابوبکر صدیق کے حکم پر لکھا تھا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر اور پھر ام المومنین سیدہ حفصہ کے پاس موجود رہا۔ حضرت عثمان کے حکم پر حضرت سعید بن العاص نے اس کی نقلیں حضرت زید بن ثابت کو املا کرائیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث نے پڑتال کی۔ پھر شام، مصر، بصرہ، کوفہ، مکہ اور یمن کو ارسال کر دی گئیں، ایک کاپی مدینہ میں رکھی گئی (بخاری، رقم ۴۹۸۷۔ ترمذی، رقم ۳۱۰۴)۔

کچھ تبصرے

حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں: اپنی نرم روی، وضع قطع اور سیرت میں ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود) سے بڑھ کر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں۔ جب وہ اپنے گھر سے نکل کر اس میں واپس جاتے ہیں، ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ ہم نہیں جانتے جب وہ اپنے کنبے میں اکیلے ہوں، اس وقت کیسے ہوتے ہیں۔ کذب سے محفوظ اصحاب نبی جانتے ہیں کہ ابن ام عبد ان سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہیں (بخاری، رقم ۶۰۹۷۔ ترمذی، رقم ۳۸۰۷۔ احمد، رقم ۲۳۳۰۸)۔

کچھ لوگوں نے حضرت عمار سے پوچھا: آپ کا حضرت علی کے ساتھ مل کر حضرت معاویہ سے قتال کرنا آپ کی ذاتی راے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں آپ کی رہنمائی کر رکھی ہے۔ حضرت عمار

نے جواب دیا: آپ نے ہم سے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جو عام لوگوں سے نہ کہی ہو۔ یہ تو حذیفہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ میرے اصحاب میں اٹھارہ منافق ہیں، ان میں سے آٹھ ایسے ہیں کہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گے، حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے اور آٹھ سے دبیلہ (کمر یا پیٹ کا پھوڑا) تمھیں بچائے گا (مسلم، رقم ۷۰۳۵۔ مسند بزار، رقم ۲۷۸۸۔ احمد، رقم ۱۸۸۸۵)۔

وفات

حضرت حذیفہ بن یمان کی وفات ۳۶ھ میں حضرت عثمان کی شہادت سے پیدا ہونے والے پہلے فتنے کے بعد، حضرت علی کے بیعت لینے کے چالیس روز بعد، حضرت علی کے عہد میں برپا ہونے والے دو فتنوں، جنگ جمل اور جنگ صفین سے پہلے ہوئی۔

حضرت حذیفہ بن یمان کی بیماری کا سن کر حضرت ابو مسعود انصاری اور حضرت حبہ بن جوین مدائن آئے۔ حضرت حذیفہ نے انھیں مرحبا کہا اور فرمایا: تم دونوں کے قبیلے مجھے بہت محبوب ہیں۔ انھوں نے درخواست کی: ہمیں فتنوں کا اندیشہ ہے، اس باب میں کوئی فرمان رسول سنائیے۔ حضرت حذیفہ نے کہا: اس گروہ کے ساتھ رہنا جس میں عمار بن یاسر ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: عمار کو ایک باغی، حق سے ہٹا ہوا گروہ قتل کرے گا، اس کی آخری خوراک پانی ملا دودھ ہو گی۔ پہلا فتنہ عثمان کی شہادت ہے اور آخری فتنہ دجال کا ہو گا۔ انھوں نے دعا کی: اے اللہ، اگر عثمان کا قتل خیر ہے تو میرا اس میں کوئی حصہ نہیں اور اگر یہ شر ہے تو میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ اے اللہ، میں وہاں نہ موجود تھا نہ قتل کیا نہ اس پر راضی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق مرض الموت میں حضرت حذیفہ کے پاس موجود ایک بھائی نے اپنی بیوی سے سرگوشی کی تو انھوں نے کہا: مجھ سے جو بات چھپا رہے ہو، خیر نہ ہو گی۔ انھوں نے حضرت عثمان کی شہادت کا بتایا تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر فرمایا: اگر یہ خیر ہے تو ان لوگوں کے لیے ہو گا جو ان کے پاس موجود تھے اور میں اس سے بری الذمہ ہوں اور اگر یہ شر ہے تو ان لوگوں کے لیے ہو گا جو ان کے پاس موجود تھے اور میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ جس نے جماعت چھوڑی اور امیر کو رسوا کیا، اللہ کے ہاں کوئی مرتبہ نہ پائے گا (احمد، رقم ۲۳۲۸۳)۔

آخری کلمات

حضرت حذیفہ نے صلہ بن زفر اور حضرت ابو مسعود انصاری کو اپنے لیے کفن لینے بھیجا۔ وہ تین سو درہم کا

جوڑا لے آئے تو کہا: میرے لیے دو سفید چادریں کافی ہیں جن کے ساتھ قمیص نہ ہو۔ میں قبر میں کچھ وقت گزاروں گا تو ان سے بہتر یا بدتر کپڑے مل جائیں گے (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۰۸)۔ وقت سحر تین دفعہ کہا: 'أعوذ باللہ من صباح إلی النار' (میں اس صبح سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے دوزخ میں لے جائے)۔ وفات سے پہلے بہت روئے۔ کسی نے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟ کہا: میں دنیا چھوٹنے کے افسوس میں نہیں روتا، موت مجھے محبوب ہے۔ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ نہیں جانتا، اللہ کی رضا پانے لگا ہوں یا اس کی ناراضی میرا انجام ہو گی۔ حضرت حذیفہ کے آخری کلمات یہ تھے: اے اللہ، تو جانتا ہے کہ میں نے غربت کو دولت مندی پر ترجیح دی ہے، پستی کو عزت پر اور موت کو زندگی پر مقدم جانا ہے۔ تیرا دوست ہے جو فاقہ کشی کے ساتھ آیا ہے، جو شرم ساری لایا، اس نے فلاح نہ پائی۔ جب موت بالکل قریب آگئی تو فرمایا: یہ دنیا کی آخری ساعت ہے، اے اللہ، تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، اپنی ملاقات بابرکت بنا دے۔ پھر انھوں نے دم دے دیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان کے دو بیٹوں صفوان اور سعید نے ان کی وصیت کے مطابق حضرت علی کا ساتھ دیا اور جنگ صفین میں شہادت پائی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روایت حدیث

حضرت حذیفہ بن یمان کہتے ہیں: اگر میں تمھیں اپنے علم میں آنے والی ہر بات بتا دوں تو نہر سے بھرے ہوئے پانی سے چلو بھر پینے کی بھی مہلت نہ ملے اور اس سے پہلے ہی قتل کر دیا جاؤں۔ کہتے ہیں: ہم سے روایت کرو کیونکہ ہم تمھارے لیے ثقہ ہیں، پھر حدیث ان سے حاصل کرو جنھوں نے ہم سے سیکھا، اس لیے کہ وہ بھی تمھارے لیے ثقہ ہیں۔ اپنے ساتھ والوں سے کچھ اخذ نہ کرو، وہ میٹھی میٹھی باتیں بیان کرتے اور کڑوی چھوڑ دیتے ہیں، حالاں کہ میٹھا کڑوے کے بغیر مزہ ہی نہیں دیتا۔ حضرت حذیفہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فرامین امت تک منتقل کیے۔ انھوں نے حضرت عمر سے بھی حدیث روایت کی۔ حضرت حذیفہ بن یمان کی بخاری میں آٹھ اور مسلم میں سترہ احادیث ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے صحابہ میں شامل ہیں: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت طارق بن شہاب، حضرت عبداللہ بن یزید، حضرت ابوالطفیل، حضرت جندب بن عبداللہ۔ رواۃ تابعین کی فہرست اس طرح ہے: ان کے بیٹے ابوعبیدہ اور بلال، ربعی بن حراش، زید بن وہب، زر بن حبیش، قیس بن ابوحازم، ابووائل، محمد بن سیرین، صلہ بن زفر، ابوالعالیہ، عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ، ابوادریس خولانی، قیس بن عباد، ابوالبختری، نعیم بن ابوہند، ہمام بن حارث،

اسود بن یزید، بلال بن یحییٰ، سبیع بن خالد، طلحہ بن یزید، عبد اللہ بن صامت، عبد اللہ بن فیروز، عبد اللہ بن یسار، عبدالرحمٰن بن یزید، قبیصہ بن ذؤیب، ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری، ابو عثمان نہدی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، فتوح البلدان (بلاذری)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، دلائل النبوۃ (بیہقی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، سیر اعلام النبلا (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، صور من حیاۃ الصحابۃ (رافت پاشا)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد ذکوان ندوی

انسان رخی طرز فکر

ایک بزرگ کا فون آیا۔ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق، اصلاً وہ مجھ سے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا دوسرا اور کوئی شخص ہے جسے میں نے 'صاحب معرفت' پایا ہے۔ چند سوالات کے بعد انھوں نے پوچھا: آپ نے کن بزرگوں کو اُن کی وفات سے قبل دیکھا ہے؟ میں نے کہا: حالت شعور میں، میں نے صرف ایک 'بزرگ' کو دیکھا ہے اور وہ آپ ہیں۔ اِس سے قبل بے شعوری کے دور میں ایسے کئی 'بزرگوں' کو دیکھنے اور اُن سے ملاقات کرنے کا موقع ملا ہے، مگر بے شعوری کے دور کا کوئی اعتبار نہیں!

جلد ہی بعد موصوف کے ایک ساتھی نے اُن کے حوالے سے دوبارہ فون پر یہی سوال کیا اور پھر اِن الفاظ میں مجھے اپنا سوال بھیجا:

> ''آپ نے کن بزرگوں کی تحریروں کو خدا مرکزی پایا اور کن بزرگوں کی تحریروں کو حضرت مرکزی پایا...؟''

اِس قسم کے ''حضرت مرکزی'' سوالات سے دل چسپی کے بجائے ہمیں چاہیے کہ ہم انسانیت مرکزی سوالات سے دل چسپی پیدا کریں، یعنی ایسے موضوعات جن سے انسان کی حقیقی فلاح و بہبود وابستہ ہو۔ رضاے الٰہی اور انسانی ہم دردی کے جذبے کے تحت کی جانے والی یہی انسان رخی سرگرمی دراصل دینی سرگرمی ہے۔ مثلاً مخلصانہ جذبے کے تحت بلا تفریق لوگوں کے لیے اُن کی بنیادی ضرورتوں کا نظم کرنا، جیسے غذا و صحت اور دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت، وغیرہ۔

موجودہ زمانے میں خود دوا اور بنیادی غذائی اشیا میں عظیم فساد کی بنا پر 'تغییر خلق'[1] (النساء ۴: ۱۱۹) کا چیلنج انسانیت کو درپیش ہے[2]۔ اِس طرح عملاً ہر سطح پر انسان کو غیر انسان بنائے جانے (dehumanization) کا عمل انتہائی تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ اِس کے نتیجے میں نہ صرف مہلک بیماری اور عدم تغذیہ کا ناقابل تلافی بحران پیدا ہو گیا ہے، بلکہ اِس فساد کے ذریعے سے سرے سے اُس جوہر فطرت ہی کا خاتمہ کیا جا رہا ہے جو نہ صرف وحی و دعوت کا مخاطب ہے، بلکہ یہی ربانی فطرت آدمی کا اصل امتیاز ہے۔ اِسی فطرت کی بنا پر انسان انسان ہے اور جب خود انسان کا انسان ہونا ہی خطرے میں پڑ جائے، اُس وقت یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ ہمارا اولین ترجیحی کام کیا ہونا چاہیے۔

اِس وقت انسانیت کورونا (COVID-19) کے تحت برپا عظیم بحران سے گزر رہی ہے۔ ایسی حالت میں، علم و اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہم درست رہنمائی کے ساتھ انسان کو اپنا عملی تعاون بھی فراہم کریں۔ یہ وقت لوگوں کے ایمان و معرفت کو جانچنے کا نہیں؛ نہ خدا نے ہمیں اِس کا مکلف بنایا ہے اور نہ اِس کے لیے خدا کو ہرگز کسی شخص کے سرٹیفکیٹ کی کوئی ضرورت ہے۔

ناگزیر علمی اور دینی ضرورت کے تحت کسی آدمی کے فکر و عمل کا دیانت دارانہ تجزیہ ایک الگ چیز ہے، مگر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ سورۂ روم (۳۰) کی آیت ۳۰ سے متعین ہو جاتا ہے کہ یہاں 'خَلْق' سے مراد وہ اصل فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہی فطرت ہے جس کو 'تقوٰی' اور 'فجور' (الشمس ۹۱: ۸) کا حامل بنایا گیا ہے۔ اِسی فطرت کے تحت آدمی حق و باطل کے درمیان تمیز کرتا اور خیر کو خیر اور شر کو شر سمجھتا ہے۔ انسان کے اندر یہ فطرت جب مسخ و تغییر کے فساد کا شکار ہو جائے تو پھر وہ انسان نہیں، بلکہ دو پیروں پر چلنے والا صرف ایک ایسا حیوان بن کر رہ جاتا ہے جس میں حیوانیت کے سوا انسان کے ساتھ اور کوئی مشابہت باقی نہیں رہتی۔ دور آخر میں ظاہر ہونے والے یہی وہ جینیاتی مقلوب افراد (GMS) ہیں جن کو احادیث میں 'حُثالة' (بخاری، رقم ۶۷۱۰) اور 'عَجاجة' (احمد، رقم ۶۹۶۴) کہا گیا ہے، یعنی بے خیر و بے فیض قسم کے پست و اراذل لوگ۔ اِنھی کے متعلق ارشاد نبوی ہے: 'لا یعرفون معروفًا، ولا یُنکرون منکرًا' (احمد، رقم ۶۹۶۴)، یعنی اِن کو نہ کسی معروف کا شعور ہو گا اور نہ کسی منکر کا احساس۔

۲۔ تفصیل کے لیے حسب ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں، خصوصاً پہلی کتاب کے آخر میں درج کتابیں:

1. Your Doctor Is A Liar, by James Paul Roguski.
2. Death By Prescription: The Shocking Truth Behind an Overmedicated Nation, by Ray Strand.

کون خدا کا عارف تھا اور کون نہیں، اِس قسم کی چیزوں کو موضوع بنانا علم اور سنجیدگی، دونوں کے خلاف ہے۔ لوگوں کی نسبت سے ہماری جو ذمہ داری ہے، وہ صرف اُنھیں بتانا اور سمجھانا ہے، نہ کہ اُن پر اِس طرح کا کوئی حکم لگانا۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ لوگوں کے متعلق قرآن مجید کا صریح ارشاد ہے: 'تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'[3] (البقرہ ۲: ۱۴۱)۔

ایک مفکر نے بجا طور پر کہا تھا کہ —— لوگوں سے وہ سوال نہ کرو جو خدا کو اُن سے کرنا ہے، بلکہ وہ سوال کرو جو انسان کو انسان سے کرنا چاہیے۔ کون صاحب معرفت تھا اور کون نہیں، کس کی معرفت اعلیٰ تھی اور کس کی معرفت غیر اعلیٰ؛ یہ سوال بلاشبہ خدا سے متعلق ہے، نہ کہ انسان سے۔ آدمی کو دوسرے انسانوں کی نسبت سے صرف اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہے، نہ کہ اِس طرح اُن کے ایمان و معرفت کا احتساب کرنا —— حقیقی معرفت آدمی کے اندر خود احتسابی کا مزاج پیدا کرتی ہے، نہ کہ غیر احتسابی کا مزاج۔

(لکھنؤ ۱۹ / جون ۲۰۲۰ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

3. Safety Of Genetically Modified Foods. National Research Council, Washington DC.

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite

DRYCLEANERS

Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810